بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفرقان لکھنؤ

ماہنامہ

جلد نمبر ۸۳ ماہ اگست ۲۰۱۵ء مطابق شوال المکرم ۱۴۳۶ھ شمارہ نمبر ۸

مدیر

خلیل الرحمان سجاد نعمانی E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	مدیر	۵
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۲۳
۳	نیا چیلنج، اور علمائے حق کی ذمہ داری	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۲۹
۴	قرآن کریم کا تصور فلاح ونجات (قسط ۱)	پروفیسر توقیر عالم فلاحی	۳۶
۵	قلم کی کہانی؛ خود اپنی زبانی	مولانا محمد سلیم ندوی	۴۶
۵	اپنی ملت، برادرانِ وطن اور حکومت سے کچھ صاف صاف باتیں	خلیل الرحمن سجاد نعمانی	۵۱

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ V.P. ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپئے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے لیے ان حضرات کے نام و فون نمبر نیچے لکھے جا رہے ہیں ان مقامات پر قریب و جوار کے حضرات ان سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱۔ بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	+91-9898610513
۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)	مفتی حسین محفوظ صاحب	+91-9226876589
۳۔ بنگلور (کرناٹک)	مولانا انور صاحب	+91-9880482120
۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)	قاسمی بک ڈپو طٰہٰ بک ڈپو	+91-9960070028 +91-9326401086
۵۔ گورکھپور (اتر پردیش)	مکتبہ ناصر	+91-9451846364
۶۔ جالنہ (مہاراشٹرا)	محمد اظہر	+91-9225715159

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زر تعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی -/Rs.200

☆ سالانہ زر تعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی ۱) عمومی -/Rs.230

۱ اس صورت میں پہلے سے زر تعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے،
مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہوئی تو ادارہ کو -/Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) -/20 پاؤنڈ۔ -/40 ڈالر

لائف ممبر شپ: ہندوستان: سادہ ڈاک -/Rs.8000۔

بیرونی ممالک: -/600 پاؤنڈ۔ -/1200 ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ :
Mr. RAZIUR RAHMAN
90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K
Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

❁ ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔ ❁

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۳۱/۱۱۴۔ نظیر آباد لکھنؤ۔
پن-۲۲۶۰۱۸۔ یو پی، انڈیا۔

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

فون نمبر: Ph:0522-4079758
e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک
اتوار کو آفس بند رہتا ہے------

خلیل الرحمن سجاد کے لیے پرنٹر پبلشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسیٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہ اولیں

مدیر

ہمارے ملک میں کیا ہو رہا ہے؟
اور
ہماری ذمہ داری کیا ہے؟

جس خطۂ ارض کو بھارت، انڈیا یا ہند کے ناموں سے جانا جاتا ہے، اس کو ہندو راشٹر بنا دینے، اور اسلامیت کے ہر نقش سے اس کو پاک کر دینے یا دوسرے لفظوں میں اسے ''اسلام مکت'' بنا دینے کی ایک بھرپور کوشش اس وقت ہوئی تھی جب اس خطہ پر مغل بادشاہ ''اکبر'' کا راج تھا۔ مسلمانان ہند کی موجودہ نسل کے عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے خواص بھی نہ تو اُس خطرے کی سنگینی سے پوری طرح واقف ہیں جو یہاں کے مسلمانوں کی اسلامیت کو اُس دور میں لاحق ہو گیا تھا، اور نہ اس عظیم تاریخ ساز اور انقلاب آفریں جدوجہد کی تفصیلات پر ان کی نظر ہے جس کے ذریعہ اس چیلنج کا نہایت کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا گیا تھا، آج جبکہ اسی طرح کی صورتحال پھر سے واپس آ گئی ہے، شدید ضرورت ہے کہ ہم عہد گذشتہ کی تاریخ کے ان اوراق پر ایک بار پھر نظر ڈالیں، اور اس سے اس چیلنج کے مقابلہ کے لیے رہنمائی لیں جس کا آج ہم کو پھر سامنا ہے۔ اس لئے آیئے پہلے اس تاریخ پر اجمالی نظر ڈالیں، اور پھر موجودہ حالات میں اس سے ملنے والی رہنمائی کے اہم پہلوؤں کو تلاش کریں۔

پہلے تو یہ جان لیجئے کہ اکبر اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں ایک سیدھا سادہ مسلمان تھا، اور صحیح بلکہ مطلق تعلیم سے محرومی کی وجہ سے اسی طرح کا مسلمان تھا جیسے کہ عام طور پر اس خطۂ ارض میں وہ مسلمان ہوا کرتے ہیں؛ جن میں مذہبی جذبہ تو ہوا کرتا ہے مگر مذہب کا، اس کی روح اور اس کی تعلیمات کا انہیں علم وفہم نہیں ہوتا، وہی مزارات کی حاضریاں، نذر و نیاز اور سماع اور قوالیوں میں شرکت وغیرہ وغیرہ۔۔۔ پھر اس پر مزید یہ کہ مزاج میں جاہ طلبی یا بڑائی کا جنون بھی خوب تھا، علاوہ ازیں اس نے جن علماء کو قریب سے دیکھا وہ

دنیا پرست علماء تھے، جنہیں اسلامی اصطلاح میں ''علماءِ سو'' یا ''علماءِ دنیا'' کہا جاتا ہے، اور ان کی دنیا پرستی اور خالص اپنے مفاد کے لئے آپسی مقابلہ آرائیاں دیکھ دیکھ کر وہ یہ سمجھ بیٹھا کہ علماء سب ایسے ہی ہوتے ہیں، نیز علماء کے علاوہ دربار شاہی میں جن ارکان سلطنت کو بادشاہ کا قرب حاصل تھا وہ بھی ایسے لوگ تھے جو دن بدن بادشاہ کو قرآن وسنت اور صحیح اسلام سے دور ہی کرتے رہے۔ اور پھر ایک وقت وہ آیا جب کہ وہ نہایت چالاک، ذہین اور دوررس مقاصد کے لئے سرگرم عمل برہمنوں اور عیسائیوں کے مضبوط حصار میں آ گیا۔

دورِ اکبری کے سب سے مستند مؤرخ ملا عبدالقادر بدایونی کی چشم دید گواہی کے مطابق بادشاہ کو بچپن سے ہی برہمنوں سے اور اونچی ذات کے دوسرے گروہوں مثلاً راجپوتوں سے خاص روابط اور ان کی طرف بھرپور التفات تھا۔ نیز بڑے بڑے رجواڑوں کی لڑکیاں جن کو وہ اپنے تصرف میں لا چکا تھا ان کو بھی اس کے مزاج میں خاصا دخل ہو گیا تھا۔ علاوہ ازیں کالپی کا ایک برہمن جس کا نام ''برہم داس'' تھا، جو دربار میں دخیل ہونے کے بعد ''بیربل'' کے نام سے مشہور ہوا، اس کے اکبر سے تعلقات تو ''یک جان دو قالب'' سے بھی آگے تک پہونچ گئے تھے۔ آگے چل کر اسی کی سفارش سے ایک اور فلسفی قسم کا برہمن بھی جس کا نام دیوی تھا، بادشاہ کے نہایت قریبی لوگوں میں شامل ہو گیا، وہ بادشاہ کو بت پرستی، سورج کی پوجا، آگ اور ستاروں کی پوجا کے آداب وفوائد سناتا اور بادشاہ بتدریج اسے قبول کرتا چلا گیا۔ بادشاہ کے ذہن میں یہ بات بھی راسخ کی جا چکی تھی کہ دین محمدی کو اب ایک ہزار سال گزر چکے ہیں، اب ایک نئے دین کی ضرورت ہے اور اس کے لئے خود اس کی ذات سے بڑھ کر کوئی اور شخص موزوں نہیں ہے۔

الغرض مختلف اسباب وعوامل کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکبر نہ صرف یہ کہ خود ارتداد کا شکار ہوا، بلکہ اس نے پورے ملک کے مسلمانوں کو اپنی ذاتی تمناؤں اور سیاسی مصلحتوں کی خاطر مکمل مذہبی وتہذیبی ارتداد میں مبتلاء کرنے اور ملک میں ایسا نظام نافذ کرنے کی زبردست مہم شروع کر دی جس کے تحت اسلامی شعائر واحکام پر عمل اور اسلامی تہذیب کو اپنانا مشکل سے مشکل تر ہو جائے اور کفر خصوصاً برہمنی شعائر وتہذیب پر عمل بہت آسان اور نفع بخش بن جائے۔

چنانچہ خود اکبر کے ذاتی معمولات کیا تھے، اس شخص کی زبانی سنئے جو اکبر کا اتالیق بلکہ عقل کل اور نفس ناطقہ بن گیا تھا، میری مراد ابوالفضل سے ہے۔ اس موقع پر ابوالفضل کی تحریروں کا حوالہ دینے سے میرا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آپ کے لئے دورِ حاضر کے ان لوگوں کو پہچاننا آسان ہو، جو شعوری یا غیر شعوری طور پر

ابوالفضل اور فیضی ہی کے راستے پر چل رہے ہیں۔

ابوالفضل اکبر کی آتش پرستی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''جہاں پناہ اپنی روشن ضمیری سے روشنی کو بے حد عزیز رکھتے ہیں، اور ان کی تعظیم وتکریم کو خدا پرستی اور ستائش الٰہی خیال فرماتے ہیں، نادان کو رباطن اس کو خدا فراموشی اور آتش پرستی کہتے ہیں، آفتاب غروب ہونے کے بعد خدمت گذار بارہ کا فوری شمعیں روشن کرتے ہیں اور ہر چراغ چاندی اور سونے کی لگن میں رکھ کر بادشاہ کے حضور میں لاتے ہیں اور ان میں سے ایک شیریں زبان خوش گلو خادم شمع ہاتھ میں لئے مختلف دلکش سروں میں خدا کی حمد کے اشعار گاتا ہے، اور آخر میں خود جہاں پناہ کے ازدیاد عمر کی دعا کرتا ہے''۔

سورج کی پوجا کے سلسلہ میں اکبر کا معمول بیان کرتے ہوئے ابوالفضل لکھتا ہے کہ:

''(بادشاہ) فرماتے ہیں کہ آفتاب کی سلاطین کے حال پر ایک خاص عنایت ہے، **اسی وجہ سے اس کی عبادت خدا کی عبادت خیال کی جاتی ہے** لیکن کوتاہ بیں شخص بدگمانی میں مبتلاء ہو جاتا ہے۔ **عوام۔۔۔۔۔۔۔اپنی نابینائی کی وجہ سے اس چشمۂ نور کے احترام میں کوتاہی کرتے ہیں، اگر خود ان کی عقل پر آفت نہ آگئی ہے تو سورۂ والشمس کیوں فراموش کر دی گئی ہے**[1]

آگے سنئے مہاراجا اکبر کا گنگا جل کے بارے میں کیا معمول تھا؟

''بادشاہ سفر وحضر ہر وقت گنگا کا پانی نوش فرماتے ہیں، معتمد ملازمین کا ایک گروہ دریا کے کنارے مامور ہے جو سر بمہر کوزوں میں پانی بھر کے لاتا ہے۔۔۔۔۔ باروچی خانہ میں جمنا اور چناب کا پانی یا آب باراں صرف ہوتا ہے، لیکن ان میں تھوڑا پانی گنگا کا ملایا جاتا ہے''

بقول ملا بدایونی اکبر کا ارتداد یہاں تک پہونچ گیا تھا کہ:

''احمد، محمد، مصطفیٰ جیسے نام بیرونی کافروں اور اندرونی عورتوں کی وجہ سے خود اکبر پر گراں گذرنے لگے''[2]

اور اس کا اثر یہ ہوا کہ:

---

[1] سنا ہے کہ ہمارے ملک میں کچھ لوگ سورۃ القدر کی آخری آیت ''حتی مطلع الفجر'' سے یوگا اور سوریہ نمسکار ثابت کر رہے ہیں، یہ اسی طرح کا استدلال ہے جیسا کہ ابوالفضل نے سورۂ والشّمس سے کیا ہے۔ ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے۔

[2] منتخب التواریخ ص/ ۲۱۵ ج/ ۲

''(ضمیر فروش اور ملت فروش قسم کے) علماء سو اپنی تصنیفات میں خطبہ لکھنے سے گریز کرنے لگے''

یہی نہیں جب ملک کے اندر عیسائیت کی تبلیغ کرنے والے پادریوں کے کے علاوہ اٹلی اور اسپین سے آئے ہوئے عیسائی پادریوں کا وفد بھی دربار میں آیا اور ان لوگوں نے بادشاہ سے گفتگو کی، تو انہوں نے دورانِ گفتگو (نقلِ کفر کفر نہ باشد)

''رسول اللہ ﷺ کو ''دجال'' قرار دیا، مگر اکبر کی پیشانی پر بل تو کیا آتا؟ اس نے اپنے شہزادے کو ہدایت کی کہ ''چند اسباق ان پادریوں سے پڑھ لو''۔

اکبر کے اس ذاتی حال کا اثر ملک پر کیا پڑ رہا تھا؟ اور کیسے کیسے احکام وقوانین دربار شاہی سے صادر ہو رہے تھے، ذیل میں اِس بارے میں بھی کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

نماز کی ممانعت کا حکم:

ملا عبدالقادر راوی ہیں کہ:

دیوان خاص میں کسی کی مجال نہ تھی کہ علانیہ نماز ادا کر سکے [1]

اکبر نے اپنے برہمن مشیروں کی مدد سے جو نیا دین وضع کیا تھا، اس میں توحید کے بجائے سورج کی پوجا کی شکل میں شرکِ صریح، کواکب پرستی، آخرت پر ایمان کے بجائے عقیدۂ تناسخ (آواگون) جیسے عقیدے شامل تھے۔ اکبر خود اس دین میں داخل ہونے والوں سے بیعت لیتا تھا، ان لوگوں سے جو کلمہ پڑھوایا جاتا تھا اس میں لا الہ الا اللہ کے ساتھ اکبر خلیفۃ اللہ بھی شامل تھا اور کلمہ کے ساتھ ایک اقرار نامہ بھی ہوتا تھا جس میں کہا جاتا تھا کہ:

''میں اپنی خواہش اور رغبت و دلی شوق کے ساتھ مجازی وتقلیدی دین اسلام سے جو باپ داداؤں سے سنا تھا اور دیکھا تھا علیحدگی اختیار کرتا ہوں اور اکبر شاہی دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں، اور اس دین کے اخلاص کے چاروں مرتبوں یعنی ترکِ مال، ترکِ جان، ترکِ ناموس وعزت، ترکِ دین کو قبول کرتا ہوں'' [2]

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں کہ:

''اس دین میں سود جوئے، شراب اور لحم خنزیر کی حلت تھی، اور ذبیحۂ گاؤ کی ممانعت، قانونِ

[1] منتخب التواریخ ص/ ۳۱۵ / ج ۲ [2] ایضاً ص/ ۲۷۳ بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت ص/ ۱۱۳ / ج ۴

نکاح میں ترمیمات کی گئی تھیں، پردہ اور رسم ختنہ کی ممانعت تھی، جسم فروشی کے کاروبار کو منظم کر دیا گیا تھا، اور اس کی جگہ مقرر کر دی گئی تھی، اس کے لئے قانون بنا دیا گیا تھا، تدفین کے طریقے میں بھی ترمیم کر دی گئی تھی، غرض ایک مستقل ہندی اکبری دین کی تدوین ہوئی تھی[1]

اور خاص قابل غور بات یہ ہے کہ اس نئے دین میں ہندوؤں کے کسی عقیدے یا رسم کو نہیں بدلا گیا تھا، مسلمانوں ہی سے اسلام چھوڑ کر ہندوانہ عقیدوں اور رسموں کو قبول کروانا اس کا واحد مقصد تھا۔

اب آیئے دیکھیں کہ اس صورتحال کو اس وقت اس بندے نے کس طرح محسوس کیا تھا، جس کے بارے میں بعد میں آنے والے حالات نے ثابت کر دیا کہ یہی شخص تھا جس کو توفیق الٰہی نے اس خطۂ ارض کے مسلمانوں کی اسلامیت کو محفوظ رکھنے، اور جو زبردست سازشیں اسے مکمل طور پر ہندو راشٹر بنا دینے کی اس وقت پوری حکومتی طاقت استعمال کر کے ہو رہی تھیں ان کا مثالی کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے، منتخب کیا تھا، یہاں تک کہ اس کے بارے میں کہی گئی اس بات کو آج اس خطہ کا ہر باخبر مسلمان ایک ناقابل انکار تاریخی سچائی مانتا ہے:

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

آپ سمجھ گئے ہوں گے، میری مراد امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی ہیں، ان کی اصلاحی وتجدیدی کوششوں کا آغاز اکبر کے بیٹے جہانگیر کے دور میں ہوا، جبکہ حالات میں تھوڑی سی بہتری اس لحاظ سے آئی تھی کہ ملک کو ہندو راشٹر بنانے کے سلسلہ میں اکبر کے دور والے جارحانہ عزائم جہانگیر میں نہیں تھے، تاہم مکمل طور پر ملک کا رخ بدلنے کے لئے ابھی بہت کچھ کرنے کی شدید ضرورت تھی، حضرت مجدد صاحب نے متعدد ارکانِ سلطنت اور امرائے دربار کو جو ان سے عقیدت رکھتے تھے، اور جن کے اندر اسلامی غیرت وحمیت کے آثار موجود تھے، اپنے اثر ورسوخ اور سرکار دربار سے اپنے قریبی روابط استعمال کر کے اصلاح حال کی طرف متوجہ کرنا شروع کیا۔ اس مقصد سے انہوں نے ان کو اپنے مکتوبات میں جس طرح خطاب کیا، اور جس طرح درد وکرب کے ساتھ ان کو ملکی نظام میں اصلاح کے لئے ہر ممکن جدوجہد کرنے کے لئے آمادہ کیا، اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اکبری دور کے اقدامات کو کس نظر سے دیکھ رہے تھے، اور یہ کہ ان کے نزدیک یہ کتنا سنگین فتنہ تھا، اور بلاخوف تردید، ادنیٰ مبالغہ کے بغیر یہ بات کہی جاسکتی

[1] تاریخ دعوت عزیمت ص/ ۱۱۳ ج/ ۲

ہے کہ جب کبھی کسی ملک میں اس پیمانہ پر مذہبی وتہذیبی ارتداد کے پھیلائے جانے کی منظم کوششیں کی جائیں، اس وقت اسلام کے خادموں اور امت مسلمہ کے قائدین کا کیا ردعمل اور رویہ ہونا چاہئے؟ اس کے صحیح جواب کے لئے حضرت مجدد الف ثانی کے طرز عمل سے اور ان کی قلبی اور نفسیاتی کیفیت سے رہنمائی لی جانی چاہئے، اور یہ واقعہ ہے کہ کم ازکم اس خطۂ زمین میں جہاں کے حالات کا مقابلہ حضرت مجدد الف ثانی نے براہ راست کیا تھا، وہاں جب کبھی اس قسم کے حالات رونما ہوتے ہیں، اور جب کبھی وہاں کے مسلمانوں کے ایمانی وجود اور مذہبی وتہذیبی انفرادیت کو کوئی خطرہ لاحق ہوتا ہے، کچھ لوگ اس کے مقابلے کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور اسی مجددی اسوہ کو سامنے رکھ کر بھرپور حمیت وغیرت اور حکمت وحسن تدبیر کے ساتھ اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آج جب کہ ایک بار پھر اسی قسم کے خطرات بھارت کے مسلمانوں کے اسلامی وجود اور ان کی تہذیبی انفرادیت کو درپیش ہیں اور اس صورت حال کے مقابلے کے لئے ہمیں پھر ایک بار بھرپور حوصلے اور منصوبہ بندی کے ساتھ میدان عمل میں اترنے کی ضرورت ہے، یہ طویل گفتگو اسی ضرورت کے احساس کے تحت کی جارہی ہے۔ پس آیئے حضرت مجدد صاحب کے درد وکرب کو محسوس کرنے اور اُس زاویہ نگاہ کو دیکھنے کی کوشش کریں جس سے وہ اپنے دور کے حالات کو دیکھ رہے تھے، تاکہ ہم بھی موجودہ صورت حال کو ٹھیک سے سمجھ سکیں اور اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے ہمارے اندر شعور اور حوصلہ بیدار ہو۔

جہانگیر کے دربار شاہی کے ممتاز مقربین میں ایک شیخ فرید تھے، تزکِ جہانگیری کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہانگیر کے دل میں ان کی کس قدر عزت اور عظمت تھی۔

ان کے نام ایک خط میں دعاؤں وغیرہ کے بعد حضرت مجدد صاحب لکھتے ہیں:

''میرے سیادت پناہ مکرم! آج اسلام بڑی کسمپرسی کی حالت میں ہے، اس وقت اگر ایک مزدور اس کی امداد وتقویت کے لئے دمڑی کی کوڑی بھی خرچ کرے تو مولا تعالیٰ اس کو کروڑوں میں خریدتے ہیں، دیکھیں کس بہادر کو اس دولت (احیاء ملت وترویج شریعت) سے مشرف فرماتے ہیں، اور کس سے یہ مہم سر کراتے ہیں؟۔۔۔۔۔کفر کی جو باتیں پچھلے دور میں پیدا ہوگئی تھیں، اب اس وقت جب کہ بادشاہ اسلام کو اہل کفر کے ساتھ وہ توجہ نہیں رہی، ان کا کچھ بھی باقی رہنا مسلمانوں کے دل پر سخت گراں ہے، مسلمانوں پر ضروری ہے کہ بادشاہ کو اِن بدکیشوں کی رسومات کی قباحت پر مطلع کریں، اور ان کو مٹانے کی پوری کوشش کریں، جو کچھ ان میں باقی رہ گئی ہیں ان کا بقا شاید اسی وجہ سے ہو کہ بادشاہ کو ان کی خرابی کا علم نہ ہو۔ بہرحال شرعی مسائل سے بادشاہ کو مطلع

کرتے رہنا ضروری ہے، جب تک یہ نہ ہوگا بادشاہ کے مقربین اور علماء اسلام پر اس کا بار رہے گا، اگر اس سلسلہ میں کسی جماعت پر عتاب ہو جائے اور کوئی تکلیف پہونچ جائے تو بڑی سعادت ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے احکام شرعیہ کی تبلیغ میں کیا کیا تکلیفیں نہیں اٹھائیں اور کیا کیا مشقتیں برداشت نہیں کیں؟ سارے نبیوں کے سردار آقائے نامدار محمد ﷺ کا ارشاد ہے ''کسی پیغمبر کو اتنی تکلیفیں نہیں دی گئیں جس قدر کہ مجھے دی گئیں''

سید فرید کے نام حضرت مجدد صاحب کے ایسے بہت سے خطوط ہیں، جو حضرات مزید مکتوبات کا مطالعہ کرنا چاہیں وہ تذکرۂ مجدد الف ثانی (مرتبہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی) اور تاریخ دعوت وعزیمت (از حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی) کا مطالعہ کریں۔

ہم یہاں ایک اور مکتوب کا ایک اقتباس نقل کرنا چاہتے ہیں جو سلطنتِ مغلیہ کے دوسرے رکنِ رکین خان اعظم کے نام لکھا گیا تھا، غالباً جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد جلد ہی یہ خط حضرت مجدد صاحب نے ان کو لکھا تھا:

''أیدکم اللہ سبحانہ و نصرکم علی اعداء الاسلام فی اعلاء الاسلام''

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ''الاسلام بدأ غریباً و سیعود کما بدأ، فطوبیٰ للغرباء (اسلام کا آغاز مسافرانہ بیکسی سے ہوا، اور ایک بار پھر وہ اسی مسافرانہ بیکسی کو پہونچ جائے گا، تو مبارک ہو ان لوگوں کو جو اس کے شریک حال ہوں)۔

اسلام کی بے کسی اس حد کو پہونچ گئی ہے کہ کفار برملا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں، اور بے تکلف احکام کفر کے اجراء اور کوچہ و بازار میں اس کی مدح وثنا سے نہیں شرماتے، اس کے مقابلہ میں مسلمان احکام اسلام کے اجراء سے مجبور ہیں اور اگر ان پر عمل کر لیتے ہیں تو مذموم ومطعون ہوتے ہیں۔۔۔۔۔

آج کے دن جناب کی ہستی کو ہم مغتنم سمجھتے ہیں اور ہاری ہوئی بازی میں آپ کے سوا کسی کو مرد میداں نہیں پاتے اللہ آپ کا ناصر ومؤید ہو۔۔۔ حدیث میں آتا ہے کہ تم میں سے کوئی کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کو دیوانہ نہ کہا جائے۔ اس وقت وہ ''دیوانگی'' جس کی بنیاد اسلامی غیرت اور حمیت ہوتی ہے آپ ہی کی فطرت میں نظر آتی ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔۔۔ یہ جہاد قولی کا موقع جو آج آپ کو میسر ہے، جہادِ اکبر ہے اس کو غنیمت سمجھئے اور ھل من مزید کہئے، اس جہاد

لسانی کو تلوار سے جہاد سے بھی اس وقت افضل سمجھیں، ہم جیسے بے دست و پا فقراء (جن کی دربار شاہی تک رسائی نہیں) اس دولت سے محروم ہیں۔۔۔۔۔

بقول مولانا مناظر احسن گیلانی اس قسم کے مکاتیب جو حضرت نے مقربان سلطانی کو لکھے ہیں دفاتر مکتوبات میں پچاسوں موجود ہیں۔۔۔

ہم نے یہاں ان مکاتیب کا جو تذکرہ کیا ہے اور ان کے دو نمونے جو پیش کیے ہیں وہ دراصل اہل زمانہ کو یہ بتانے کے لئے کئے ہیں کہ جس قسم کی صورتحال آج ہمارے ملک میں درپیش ہے، اس قسم کے حالات کے بارے مین ہمارا احساس یا تأثر کیا ہونا چاہئے؟

اس میں کسی شک شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ آج کل ہمارے ملک کو مکمل طور پر زعفرانی رنگ میں رنگ دینے بالخصوص مسلمانوں کو یا بالکل ہندو یا کم از کم ''مسلمانانِ ہندو مزاج'' [1] بنا دینے کی ایک زبردست کوشش حکمراں ٹولے اور اس کی سرپرست تنظیموں کی طرف سے کی جارہی ہے۔

ان سطور کا لکھنے والا اس بات سے بھی بخوبی واقف ہے کہ ہمارے درمیان اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو موجودہ حالات کی سنگینی کو کما حقہ محسوس نہیں کر رہے ہیں، ان کی باتوں کو سن کر اور ان کی تحریروں کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ جو لوگ ان حالات کی سنگینی کا تذکرہ کر رہے ہیں اور اس حوالہ سے دفاعی کوششوں کی لے اور رفتار بڑھانے کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں وہ کچھ زیادہ ہی غیر ضروری جذباتیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اور خطرات کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں۔ دراں حالیکہ حقیقی صورتحال ایسی نہیں، اور زیادہ فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔

سچی بات یہ ہے کہ اس طرح کی باتیں سن کر یا پڑھ کر ہماری حیرت کی کوئی انتہاء نہیں رہ جاتی۔

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ:

(۱) حکومت اپنی پوری طاقت استعمال کر کے دستور میں بنیادی نوعیت کی تبدیلی کرنے کی تیاری مکمل کر چکی ہے، وہ صرف راجیہ سبھا میں اکثریت کے انتظار میں ہے۔

(۲) اسکولوں اور کالجوں میں یوگا اور سوریہ نمسکار جیسی رسوم کو لازم قرار دے کر ہماری پوری نئی نسل کو

---

[1] یہ اصطلاح دور اکبری کے مشہور مؤرخ اور منتخب التواریخ کے مصنف ملا عبدالقادر بدایونی کی وضع کردہ ہے، انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ''چند بدنصیب ہندو اور ہندو مزاج مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر صراحتاً اعتراضات کرتے تھے''

آج ہمارے معاشرے میں ''ہندو مزاج مسلمانوں'' کی کتنی بڑی تعداد ہے اس کا اندازہ اور احساس ہم میں سے اکثر لوگوں کو نہیں ہے۔

شرک اور مشرکانہ اعمال اور طور طریقوں سے مانوس کیا جارہا ہے، بلکہ جہاں تک مانوس کرنے کا سوال ہے تو سچی بات یہ ہے کہ یہ مرحلہ تو طے ہو چکا ہے، ہمارے لاکھوں نوجوان اب ان چیزوں سے کوئی وحشت محسوس نہیں کرتے۔

(۳) ان تمام قوانین کی منسوخی کا عمل شروع ہو چکا ہے جن کے تحت مسلمانوں کو اپنے کچھ معاملات میں شرعی قوانین پر عمل کرنے کی آزادی ملی ہوئی ہے۔

(۴) مسلمانوں کو اپنے کچھ معاملات میں جو تھوڑا بہت انصاف عدلیہ سے مل جایا کرتا تھا اب اس کا بھی دروازہ بند کردینے کے مقصد سے ججوں کی تقرری وغیرہ کے اختیارات بھی حکومت اپنے ہی ہاتھ میں لے چکی ہے، اس کے جو دوررس اثرات آنے والے دنوں میں مرتب ہونے والے ہیں ان کو نظر انداز کرنا خودکشی کرنے کے مترادف ہوگا۔

(۵) ہم نے جس دستور کے تحت اس ملک میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا اس میں پوری صراحت کے ساتھ ہر شہری کو اس امر کی مکمل آزادی دی گئی تھی کہ وہ جس مذہب وتہذیب کو پسند کرے اسے اپنا سکتا ہے، خود عمل کرسکتا ہے اور اس کی تبلیغ واشاعت بھی کرسکتا ہے، اور ہر گروہ اپنے مذہبی وتہذیبی آداب واحکام کی حفاظت کے لئے اپنے تعلیمی ادارے بھی قائم کرسکتا ہے۔ نیز اس دستور کی رو سے یہ لازم کیا گیا تھا کہ حکومت ملک کے شہریوں کے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت اور اور ان کے مذہبی جذبات واحساسات کی رعایت کو یکساں اہمیت دے گی، گویا کہ حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہوگا، اور حکومت کسی مخصوص مذہب یا تہذیب کی سرپرستی نہیں کرے گی۔

اور آج جو بھی دینی، ملی، تعلیمی سرگرمیاں ملک میں جاری ہیں وہ سب دستور کی دی گئی ان ہی ضمانتوں کی وجہ سے ہیں، اگرچہ یہ بھی اپنی جگہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ان دستوری ضمانتوں کے باوجود آزادی کے بعد سے اب تک مسلمانوں کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا ہے وہ زیادہ تر ان دستوری ضمانتوں کو نظر انداز کرنے کا ہی کیا گیا ہے (اگر ایسا نہ ہوتا تو شروع ہی سے تعلیمی نظام کو برہمنی رنگ میں رنگ دینے کی مذموم کوشش نہ کی گئی ہوتی اور تمام سرکاری تقریبات کے افتتاح اور عمارتوں کے سنگ بنیاد کے موقع پر خالص برہمنی رسوم کو اپنانے اور ہر پولیس اسٹیشن اور سرکاری دفتر میں مندر اور مورتیاں سجانے جیسے کام نہ کیے گئے ہوتے) تاہم اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو بھی حقوق ہم کو یہاں ملے ہوئے ہیں وہ اسی دستور کی

بنیاد پر اور اسی حوالہ سے ملے ہوئے ہیں، اور ایک طرح سے اس کی حیثیت مسلمانانِ ہند اور یہاں کی دوسری قوموں اور انتظامیہ کے مابین ایک معاہدہ کی ہے۔ نیز یہ بھی سچ ہے کہ جب کبھی اس دستور کے حوالہ سے ہم نے انصاف کے حصول کی کوشش صحیح طریقے اور نیک نیتی سے کی ہے ہمیں اکثر کامیابی ملی ہے۔ بلامبالغہ تازہ صورتحال یہ ہے کہ دستور میں دی گئی ان ضمانتوں کو مختلف حیلوں سے منسوخ کر دینے اور نئی دستوری ترمیموں کے ذریعہ ملک کو باقاعدہ ایک اعلان شدہ ہندو راشٹر قرار دینے کی تیاریاں زور وشور سے جاری ہیں۔

(۶) ہر کچھ دن بعد کسی نہ کسی ترکیب سے ملک کے نئے علانیہ رخ کا اعلان مختلف وزیروں اور تنظیموں کے سربراہوں کے ذریعہ کروایا جاتا ہے، یہاں تک کہ جب کسی طرف سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ گیتا کو قومی کتاب قرار دیا جائے تو ہماری وزیر خارجہ فرماتی ہیں کہ ملک کے وزیر اعظم نے جب صدر امریکہ کو تحفہ کے طور پر گیتا پیش کر دی تو گویا انہوں نے اعلان کر دیا کہ گیتا قومی کتاب ہے اس کے لئے الگ سے کسی اعلان کی اب کیا ضرورت رہ گئی ہے؟

ملک کے موجودہ رخ کے یہ صرف چند مظاہر ہیں جن کا تذکرہ سطور بالا میں کیا گیا ہے، ورنہ ''بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری'' کی حکایت بہت طویل ہے، میرا مدعا صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ان حالات کا تقاضا ہے کہ ایک بھرپور اور ہمہ جہتی کوشش تمام پہلوؤں اور نزاکتوں پر نظر رکھتے ہوئے کی جائے۔ کن کن محاذوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے، ہماری جدوجہد کا مزاج اور طریقۂ کار کیا ہونا چاہئے اور کن کن نزاکتوں کا ہمیں قدم قدم پر لحاظ کرنا ہوگا؟؟ ہم ذیل کی سطروں میں اِن سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

(۱) عوامی رابطہ (Mass Contact) کی مہم

اس مہم کے تحت اوّلاً زیادہ سے زیادہ مسلم بھائیوں اور خواتین کے پاس پہونچ کر ان کے اندر اسلام کی سمجھ پیدا کرنے اور اسلامی حمیت وغیرت بیدار کرنے کی کوشش کی جائے، انہیں خطروں سے آگاہ کیا جائے انہیں اس صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہ کچھ لوگ تم سے تمہارا ایمان اور تمہاری تہذیب چھین لینا چاہتے ہیں، انہیں استقامت کی تلقین کی جائے اور اس کی تدبیریں بتائی جائیں۔

اس سلسلہ میں قرآن مجید کی اس طرح کی آگاہیوں کو پیش نظر رکھنے سے اپنی دعوت کے مضمون اور

اس کے لب ولہجہ وغیرہ کے سلسلہ میں بھرپور رہنمائی ملے گی:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰۹ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱۰	بہت سے اہل کتاب تو دل ہی سے چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان (لے آنے) کے بعد پھر سے کافر بنالیں، حسد کی راہ سے جو ان کے نفسوں میں ہے (اور یہ بھی) بعد اس کے کہ ان پر حق واضح ہو چکا، سو معاف کرتے رہو اور درگذر کرتے رہو حتی کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور (ہاں) نماز کی پابندی رکھو اور زکوۃ دیتے رہو، اور جو کچھ بھلائی تم اپنے واسطے آگے بھیجو گے، اسے اللہ کے پاس پالو گے، یقیناً جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس کا خوب دیکھنے والا ہے
وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۱۲۰	اور آپ سے یہود ونصاریٰ ہرگز خوش نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہو جائیں، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی (بتلائی ہوئی) یہ تو بس راہ ہے، اور اگر آپ بعد اس علم کے جو آپ کو پہونچ چکا ہے ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے تو آپ کے لئے اللہ (کی گرفت) کے مقابلے میں کوئی یار ہوگا نہ مددگار۔

اس موقع پر یہ بات بھی عرض کرنا شاید مفید ہو کہ یہ کام ہماری مختلف جماعتیں اور بے شمار علماء اپنے اپنے علاقوں میں اپنے اپنے طرز پر انجام دے رہے ہیں —— اور ان ساری مساعی کے بہت اچھے نتائج بھی ظاہر ہو رہے ہیں، تاہم ملک کا رقبہ اس قدر وسیع اور آبادی اتنی کثیر ہے کہ کام ابھی بہت باقی ہے —— ایک تبلیغی جماعت ہی کی مساعی کو دیکھیں جس کا آغاز دراصل اسی صورت حال کے مقابلے اور عام مسلمانوں، بالخصوص دور دراز کے دیہی علاقوں میں بسنے والے ان لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمانوں کو ایمان واسلام سے وابستہ رکھنے ہی کے مقصد سے ہوا تھا، اور بلاشبہ جس کی محنتوں کا بے شمار مسلمانوں کو مذہبی وتہذیبی ارتداد سے بچانے اور انہیں عملی طور پر مسلمان بنانے اور اسلام پر ثابت قدم رکھنے میں بڑا حصہ ہے —— تازہ حالات میں بہت سے فکرمند لوگوں کو اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ حالات کے اس رخ پر نظر رکھنے

والے اہل علم وفکر اور تبلیغی جماعت کے اعلیٰ سطحی ذمہ داروں کے درمیان عہد گذشتہ جیسا رابطہ اور دوطرفہ قدر واحترام کی فضا ہونی چاہئے کہ اس سے اصل کام کو بہت تقویت پہونچے گی ——

اس پہلو پر بھی نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ آبادی کا ایک حصہ دوسرے مکاتب فکر اور دوسرے مسالک سے وابستہ ہے، ضرورت ہے کہ اس حلقہ کے عوام وخواص کی توجہ اس جانب، ان حلقوں کے ممتاز اہل علم ودانش ہی کے واسطے سے مبذول کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ بلاوجہ کسی بدگمانی یا شک شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے، اور پوری ملت دین وشریعت کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل ہو۔

مسلم عوام سے رابطہ کی مہم کے سلسلہ میں ایک اور بات قابل ذکر محسوس ہوتی ہے۔ ملت کا ایک حصہ تو وہ ہے جو شہروں کے پسماندہ اور جھوپڑ پٹی کی بستیوں میں یا دیہاتوں اور قصبوں (اور تبلیغی اصطلاح میں بنجر بستیوں) میں آباد ہے، اور غربت وجہالت کی دوہری مصیبت میں گرفتار ہونے کی وجہ سے دین کی بنیادی معلومات سے بھی بے خبر ہے وہ نہ کلمہ جانتا ہے اور نہ ایمان ونماز سے واقف ہے —— یہ طبقہ ارتداد پھیلانے کی کوشش کرنے والوں کا اولین نشانہ ہوتا ہے اور کئی بار لقمۂ تر ثابت ہوتا ہے —— اور ملت کا دوسرا طبقہ ان نوجوان بچوں اور بچیوں کا ہے جو سرکاری یا پرائیویٹ اسکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں یا تعلیم سے فراغت کے بعد مختلف شعبوں میں کام کر رہے ہیں اس طبقہ میں خاصی تعداد ایسے نوجوانوں کی ہے جن کے والدین کی غفلت او بے شعوری (وغیرہ) کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے انہیں بنیادی اسلامی تعلیم بھی نہیں ملی اور کسی اور دینی سرگرمی سے بھی ان کا کوئی رابطہ نہیں ہوا، یہ لوگ اردو بھی نہیں جانتے، کسی دینی کتاب یا رسالہ کا مطالعہ بھی نہیں کرتے ان کا اٹھنا بیٹھنا، رہنا سہنا زیادہ تر غیر مسلموں یا ''مسلمانانِ ہندومزاج'' کے ساتھ ہوتا ہے اور مادی ومعاشی ترقی ہی ان کا مقصد حیات ہے —— پہلے طبقہ کی طرح یہ طبقہ بھی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

جہاں تک پہلے طبقہ کا تعلق ہے اس تک ایمان، اس کی قدر ومحبت اور اس کے تقاضوں کا ضروری علم و شعور پہونچانے کا سب سے زیادہ کامیاب طریقہ تبلیغی جماعت ہی کا ہے۔ اس کے بہت سے رکن مختلف علاقوں میں بڑے خلوص اور یکسوئی کے ساتھ یہ کام کر بھی رہے ہیں۔ راقم کے علم میں یہ بات ہے کہ بعض صوبوں کے تبلیغی ذمہ داروں نے تو یہ طے کیا ہوا ہے کہ وہ اپنی جماعتیں اپنے ہی صوبے کی ان بنجر بستیوں ہی میں بھیجیں گے اور اس کے اچھے نتائج بھی سامنے آرہے ہیں، لہذا اگر اس موقع پر تبلیغی جدوجہد کے اکابرین

سے یہی گذارش کی جائے کہ وہ پورے ملک کی سطح پر اپنے کارکنوں اور اہل مشورہ کو یہ ہدایت دیں کہ وہ اس طبقہ کی طرف اپنی توجہ بڑھادیں تو شاید بے جا نہ ہوگا —— اور جہاں تک دوسرے طبقہ کا تعلق ہے تو اس کے لئے تبلیغی جماعت کے علاوہ دوسری جماعتوں اور منتخب اہل علم حضرات کو اپنی توجہ بڑھانی ہوگی، مختلف عنوانوں پر اس قسم کے پرکشش پروگرام اور سیمینار وغیرہ منعقد کئے جائیں جس میں اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے بھائیوں، بہنوں اور نوجوانوں کو خاص طور پر مدعو کیا جائے اور ان کے سامنے اسلام کی تعلیمات کو داعیانہ اور حکیمانہ انداز سے پیش کیا جائے۔ بار بار کا تجربہ ہے کہ اگر سلیقہ اور محبت کے ساتھ دور جدید کی نفسیات اور زبان کو ملحوظ رکھ کر اس طبقہ کے سامنے اسلامی تعلیمات کو پیش کیا جاتا ہے تو ان کی خاصی تعداد بہت اچھا تاثر لیتی ہے اور صحیح علم اور صالح طرز زندگی سے اپنی محرومی کا اعتراف کر کے تلافی مافات کی کوشش شروع کر دیتی ہے۔

سیمینار اور سمپوزیم وغیرہ کے علاوہ ہماری ملت کے بعض مخلص اور باصلاحیت نوجوان علماء اپنے اپنے علاقوں میں اسلامی موضوعات پر مضمون نگاری کا انعامی مقابلہ کراتے ہیں، اس ذریعہ سے ہزاروں نوجوان جن میں مسلم نوجوانوں کے علاوہ غیر مسلم نوجوان بھی ہوتے ہیں، اسلامی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، پھر اس پروگرام میں شریک ہوتے ہیں اور اس طرح اسلام سے اور اس کی خوبصورت تعلیمات سے ان کا رشتہ جڑ جاتا ہے، یا کم از کم نفرت اور غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں۔

بہر حال ملک گیر پیمانے پر اس قسم کی تمام تدبیریں استعمال کر کے اپنی ملت کے اس نہایت بیش قیمت طبقے کو نہ صرف یہ کہ ذہنی و تہذیبی ارتداد سے بچایا جا سکتا ہے بلکہ ان کو اس قابل بنایا جا سکتا ہے کہ ان میں سے ایک ایک، سیکڑوں تک اسلام کے پیغام اور اس کی حسین تعلیمات کو پہونچانے کے کام میں لگ جائے۔

برادرانِ وطن سے رابطہ:

عوامی رابطہ کی جو مہم اس وقت درکار ہے اس کے دوسرے حصہ میں ہمیں برادرانِ وطن سے براہِ راست رابطہ قائم کرنا ہوگا۔

اس سلسلہ میں ہمیں چند حقائق کو سامنے رکھنا ہوگا،

(۱) مسلمانوں کی تہذیبی انفرادیت کو ختم کرنے اور ہندو بنا دینے کا منصوبہ ملک میں ایک چھوٹی سی

اقلیت کا ہے، جس نے اپنے سازشی دماغ اور مخصوص صلاحیتوں کا استعمال کر کے ملک میں اقتدار کے تمام مراکز پر قبضہ کر رکھا ہے —— ورنہ جہاں تک ملک کی غیر مسلم آبادی کی اکثریت کا تعلق ہے اس کی یہ سوچ نہیں ہے، اس کی فکر روٹی، کپڑے اور مکان جیسی ضروریات اور اپنے بچوں کے بہتر مستقبل تک محدود ہے، بلکہ ایک اچھی خاصی تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جسے اعلیٰ ذات سے تعلق رکھنے والی خود اس ظالم اقلیت سے سخت شکایتیں ہیں، وہ مذکورہ بالا منصوبہ کو غلط، ظالمانہ اور ملک کے مجموعی مفاد کے لئے مہلک سمجھتے ہیں —— علاوہ ازیں ملک میں دوسری اقلیتیں بھی ہیں جنہیں موجودہ صورتحال سے اور حکمراں ٹولے کے عزائم اور پالیسیوں سے شدید اختلاف اور فکر و تشویش ہے۔ ایسے تمام گروہوں اور افراد کو ساتھ لے کر دستور اور ملک کے سیکولر ڈھانچے کے تحفظ کے لئے برادرانِ وطن کو بھی باخبر اور رائے عامہ کو ہموار کیا جاسکتا ہے۔

سطور بالا میں مسلمانوں کی تہذیبی انفرادیت ختم کرنے کے جس منصوبے کا ذکر کیا گیا ہے وہ اگرچہ ایک چھوٹی سی اقلیت کا ہے، لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کرنا غلط اور نہایت مضر ہوگا کہ بھاری اکثریت اس منصوبہ کا ساتھ دیتی ہے —— اور اکثر کافی فعال طریقہ پر ساتھ دیتی ہے —— اور بہت اہم بات یہ ہے کہ اکثریت اس طبقہ سے تعلق رکھتی ہے جو خود صدیوں بلکہ ہزاروں سال سے اسی ظالم اقلیت کے سخت جارحانہ مظالم کا شکار رہی ہے، مگر وہ ظالم اقلیت نہایت چالاکی کے ساتھ ہر موقع پر اسے مسلمانوں کے خلاف مشتعل کر کے میدان میں اتار دیتی ہے اور اس طرح وہ بجائے اپنے اصل دشمن سے جنگ کرنے کے اور بجائے اس کے تسلط سے گلو خلاصی حاصل کرنے کی جدوجہد کو آگے بڑھانے کے، اپنے اصل دشمن کو اپنا دوست اور اپنا آقا تسلیم کر لیتے ہیں اور اس قوم سے جو مظلومیت کی وجہ سے بھی، اور مختلف تاریخی عوامل کی وجہ سے اس کی حلیف تھی اور ہے، اسی کو اپنا اصل دشمن سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اس طرح ملک پر اس چالاک اور ظالم اقلیت کے تسلط کی عمر دراز ہوتی رہتی ہے۔

اس پس منظر میں سوچئے کہ برادران وطن کے مختلف طبقات، خصوصاً مذکورہ بالا مظلوم طبقے سے ہمارا منصوبہ بند رابطہ کس قدر دوررس نتائج کا باعث ہوسکتا ہے؟؟

یہ کام کہنے اور لکھنے سے زیادہ کرنے کا ہے، اس لئے اس موضوع پر مزید کچھ کہنے سے اپنے قلم کو روکتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ ملک کے دوسرے انصاف پسند اور مظلوم طبقات کو ساتھ لیکر عوامی رابطہ کی جس مہم کی ضرورت کے تحت یہ باتیں کی گئی ہیں وہ جلد از جلد ایک اچھی اور منظم انداز میں شروع ہو۔ اسی وقت

بہت سے پہلوؤں کی عملی وضاحت بھی سامنے آجائے گی۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذالك امراً۔

مسلمانوں اور دیگر برادرانِ وطن سے رابطہ کے لئے ہمیں سوشل میڈیا کا استعمال بھی زیادہ سے زیادہ کرنا چاہئے۔ یہ بات قابل توجہ اور اصلاح طلب ہے کہ ہمارے بڑے بڑے ادارے جن کے پاس افرادی قوت بھی ہے اور وسائل بھی ہیں، ان شعبوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ خدا کرے کہ آنے والے دنوں میں اس سمت بھی پیش رفت ہو۔

عوامی رابطہ، عوامی بیداری اور رائے عامہ کی ہمواری کے مذکورہ بالا کاموں کے علاوہ ایک بہت اہم کام قانونی چارہ جوئی بھی ہے، ضرورت ہے کہ موجودہ حکومت کے ان اقدامات اور کارروائیوں کے خلاف اعلیٰ ترین سطح پر عدلیہ سے رجوع کیا جائے، اور بھرپور تیاری کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ فلاں فلاں اقدامات اور کارروائیاں ملک کے آئین کے خلاف ہیں ——— اور راقم سطور کی رائے میں بہتر یہ ہوگا کہ عدالتی چارہ جوئی بھی صرف مسلمانوں کی طرف سے تنہا نہ ہو، بلکہ اس میں برادرانِ وطن کے اُن گروپوں تنظیموں اور شخصیات کو بھی شامل کیا جائے جو اصولی طور پر اس رائے سے اتفاق رکھتے ہیں۔ گویا ملک کی ارباب حل وعقد اور پوری سول سوسائٹی (Civil Society) ملک کی اعلیٰ ترین عدالت سے ملک کے سیکولر جمہوری کردار کے تحفظ کی اپیل کرے۔

الغرض عوامی مہم کا محاذ ہو یا عدلیہ سے رجوع کا معاملہ ہر جگہ اس پہلو پر مستقل اور کڑی نگاہ رکھی جائے کہ شر پسند اور ظالم طبقہ اس جدوجہد کو ہندو مسلم مسئلہ نہ بنا دے، ہم جانتے ہیں کہ وہ اس کی بھرپور کوشش کرے گا۔ لیکن ہمارا یہ بھی پختہ خیال ہے کہ اس کا حل یہ نہیں ہے کہ کوئی جدوجہد ہی نہ کی جائے اور خاموش تماشائی بن کر بیٹھے رہا جائے۔ ہرگز نہیں، اس کا حل یہ ہے کہ اپنی جدوجہد کو تمام پہلوؤں اور نزاکتوں پر نظر رکھتے ہوئے اور قدم قدم پر اللہ سے رہنمائی اور مدد مانگتے ہوئے، آگے بڑھایا جائے اور واقعی خطرات اور دشمن کے حربوں کو ایک لمحہ کے لئے نظر انداز نہ کیا جائے۔

مقام شکر ہے کہ ہماری سب سے باوقار تنظیم آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے لکھنؤ کی مجلس عاملہ میں فیصلہ کیا ہے کہ وہ موجودہ حالات کے تناظر میں ملک کے آئین اور بورڈ کی روایات کی روشنی میں دین

وشریعت اور ملک کے آئین کے تحفظ کے لئے برادرانِ وطن کو ساتھ لے کر میدانِ عمل میں اترے گا، اور اسی وجہ سے اس نے اپنے ایک اہم اور تجربہ کار سکریٹری محترم جناب مولانا سید محمد ولی رحمانی کی ذمے داریاں بڑھادی ہیں۔ پوری ملت اس ماہ مبارک میں مسلم پرسنل لا بورڈ اور اس کے ذمے داران کے لئے بالخصوص مولانا رحمانی کے لئے دست بدعا بھی ہے اور محوِ انتظار بھی کہ آنے والے دنوں میں مختلف محاذوں پر جدوجہد کا آغاز ہو، اور اللہ اسے کامیابی سے ہمکنار کرے۔

اور تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جس دن سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ایک نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ ملک کے رخ کو غلط سمت پر جانے سے روکنے کے لئے سرگرمِ عمل ہونے کا اعلان کیا ہے، اسی دن سے اس بات کی کوشش شروع کردی گئی ہے کہ بورڈ کے محترم ارکان کے اندر کچھ اختلاف اور غلط فہمیاں پیدا ہوں، اور عام مسلمانوں کو جو اعتماد بورڈ کی قیادت پر ہے وہ متزلزل یا کم ہو —— بورڈ کی قیادت کا فرض ہے کہ وہ ان دونوں قسم کی سازشوں پر کڑی نظر رکھے، باہمی رابطہ اور اعتماد کو زیادہ سے زیادہ برقرار رکھنے بلکہ اس میں مزید مضبوطی اور استحکام لانے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کی جائے۔ نیز ذرائع ابلاغ کے ذریعہ (اور سوشل میڈیا کے ذریعہ بھی) ہر پروپگنڈے اور غلط فہمی کو صاف کرنے کی بروقت کوشش کی جائے۔

اسی ضمن میں یہ بات بھی ذکر میں آجائے تو اچھا ہے کہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کو ایسے عناصر کی کرم بھومی نہ بننے دیا جائے جو دینِ شریعت کے بارے میں شکست خوردہ ذہن رکھتے ہیں، اور جن کے علم میں رسوخ اور عمل میں قرآن اور سلف صالح کے اتباع کے آثار نہیں نظر آتے، اور جو تجدید کے نام پر تجدّد کے اہم علمبردار ہیں، اور جن کی وفادرایاں بھی منقسم نظر آتی ہیں۔ ایسے ہی لوگ تھے جنہوں نے مغل بادشاہ اکبر کو مہاراجہ اکبر بنادیا تھا، ملت کے اہلِ فکر ودانش کو علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے کردار کے تحفظ کی تدبیریں سوچنی چاہئیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو یوگا جیسے خالص مشرکانہ عمل کو صرف ورزش قرار دے کر مسلم پرسنل لا بورڈ کے موقف کے بارے میں عام مسلمانوں کے ذہن میں میں شکوک پیدا کررہے ہیں —— کاش کہ ایسے حضرات اتنے سرسری انداز سے اس نازک مسئلہ کے بارے میں اظہار خیال نہ کرتے —— اور اگر ان کے پاس تفصیلی وتحقیقی مطالعہ کا وقت نہیں تھا تو کم از کم صرف اس پہلو پر غور کرلیتے کہ کیا حکومت جو اس قدر روز یوگا پر زور دے رہی ہے، وہ صرف اس وجہ سے دے رہی ہے کہ وہ اس کی نظر میں صرف ایک اچھی ورزش ہے؟؟ اور اسے اپنے تمام شہریوں خصوصاً مسلمانوں کی ورزش کی بہت فکر ہے؟؟ انا للہ وانا الیہ راجعون

متاعِ دین ودانش لٹ گئی اللہ والوں کی یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

سچی بات یہ ہے کہ جس قسم کی صورتحال اس وقت کچھ مسلم ''خواص'' کی سامنے آئی ہے، اسی نے راقم کو اکبری دور کی اور پھر حضرت مجدد الف ثانی کی یاد دلادی، اس دور میں بھی علماء اور دین کے خدمت گذار کہے جانے والے لوگوں کی خاصی تعداد تھی جو اکبر کے ہر کافرانہ یا جاہلانہ قدم پر مہر تصدیق ثبت کررہی تھی۔

ملا عبدالقدر بدایونی نے ایک جگہ لکھا ہے:

چند رذیل ادنی درجہ کے لوگ جو عالم نما جاہل ہیں، انہوں نے دلیلوں کا پشتہ اس دعویٰ کے متعلق باندھ دیا ہے کہ'' وقت اس صاحب زماں کا آ گیا ہے، جو ہندو اور مسلمانوں کے بہتر فرقوں کے اختلاف کا مٹانے والا ہوگا اور اس صاحب زمان کی ذات خود حضرت بادشاہ کی ہے''

ملا صاحب نے نقل کیا ہے کہ کوئی صاحب مولوی ابراہیم صاحب تھے جو گجرات کی صدارت پر سرفراز تھے ان مولوی صاحب نے گجرات سے جو تحفے بادشاہ کے پاس بھیجے تھے ان میں ایک تحفہ یہ بھی تھا کہ ایک جعلی عبارت شیخ ابن عربی کی ایک پرانی کرم خوردہ کتاب سے نامانوس رسم الخط میں نقل کر کے بھیجی جس کا مطلب یہ تھا کہ ''صاحب زمان کے پاس بہت سی عورتیں ہوں گی اور وہ ڈڑھ منڈا ہوگا''

ایک اور ''مولوی صاحب'' تھے جن کا ذکر ملا صاحب نے مولانائے خواجہ شیرازی کے لقب سے کیا ہے، ان مولانا صاحب نے بھی اکبر کی خوشامد میں اسے مہدی موعود قرار دیا تھا، اکبر کے دربار میں ایسے نام نہاد علماء بھی تھے جو دربار شاہی میں حاضری کے وقت گردن ٹیڑھی کر کے کورنش بجالاتے تھے اور دیر تک ہاتھ جوڑے اور آنکھیں بند کئے (گویا نمسکار کرتے ہوئے) کھڑے رہتے تھے —— اور ان مولویوں کے علاوہ اکبر کی گمراہی میں ملا مبارک اور اس کے دونوں بیٹے ابوالفضل اور فیضی کے کردار سے آج کون پڑھا لکھا مسلمان ناواقف ہے؟

میں کہنا صرف یہ چاہتا ہوں کہ اگر آج ہمارے درمیان اس قسم کی کمزور، شکست خوردہ اور معذرت خواہانہ آوازیں اٹھ رہی ہیں اور آج اپنے ہی نظر آنے والے بلکہ ہمارے عظیم ترین ادارے کی طرف اپنے کو منسوب کرنے والے ایک صاحب بدنام زمانہ باباؤں کے ساتھ بیٹھ کر شیروانی اور کلاہ سیاہ میں ملبوس یوگا کا درس دیتے ہوئے یا اس کی مشق کرتے ہوئے دکھائی پڑ رہے ہیں اور دوسری طرف ایک اور عظیم ادارے کی طرف انتساب رکھنے والے ایک صاحب شیروانی زیب تن کئے ہوئے کسی جگہ بھومی پوجا میں حاضر و شریک نظر آ رہے ہیں، تو اس پر نہ تو تعجب کریں اور نہ ہی اس سے اپنے حوصلوں کو پست ہونے دیں، البتہ اس سے اندازہ لگائیں کہ بات کہاں سے کہاں تک پہونچ چکی ہے۔ اور وہ حمیت و غیرت اور توحید و شرک کے سلسلہ

میں وہ احتیاط اور حساسیت کس قدر مضمحل ہو چکی ہے، اس سب کو محسوس کریں، اور اصلاح احوال کے لئے ہر ممکن اور مناسب جد وجہد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور یہ یاد رکھیں کہ یہ قسم ہر دور میں پائی جاتی ہے۔ اکبر کے دور میں بھی تھی، اور اچھی خاصی تعداد میں تھی، اور حکومت کی پوری سرپرستی ایسے ہی لوگوں کو حاصل تھی، مگر بات کس کی چلی؟ فتح کس کی ہوئی؟ اسی کی جو سرہند کی خانقاہ میں بیٹھ کر تیز وتند واؤں کے درمیان چراغ اپنا جلا رہا تھا؟ دین حق کی حفاظت کے لئے تڑپ رہا تھا، رو رہا تھا اور لا رہا تھا اور جس نے وقت کے بادشاہ کے سامنے سجدہ کرنے سے صاف انکار کر دیا، اور اسی جرم کی پاداش میں اسے قید و بند کی سزا بھی ملی، مگر بالآخر وہی فاتح زمانہ کہلایا۔

ایک آخری بات تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں سے یہ کہنی ہے کہ ملک کی تاریخ کے اس اہم ترین موڑ پر دین وشریعت اور آئین کے تحفظ کے لئے مختلف محاذوں پر جو عظیم جدو جہد اس وقت آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی قیادت میں برپا ہونی ہے اس کو زبردست افرادی قوت کی بھی ضرورت ہے، اور بہت بڑی مقدار میں مالی وسائل کی بھی، ہزاروں علماء کرام جو اپنے اپنے علاقوں میں امامت، خطابت، اصلاح معاشرہ اور تدریس وتبلیغ وغیرہ شعبوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں اگر وہ اپنے نام، پتے اور ای-میل اور فون نمبر وغیرہ کے ساتھ محترم مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب کارگذار جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نام اپنی رضا کارانہ خدمات کی پیش کش کے ساتھ بھیج دیں تو بہت ہی مناسب ہوگا، یہی گذارش وکالت اور صحافت جیسے شعبوں سے وابستہ حضرات سے بھی ہے۔

مالی وسائل کے سلسلہ میں بھی میری خواہش تو یہ ہے کہ ملت کے ایک ایک فرد کا اس مہم میں حصہ ہو۔ اہل خیر اور اہل ثروت حضرات اپنی حیثیت کے مطابق حصہ لیں اور ہمارا غریب سے غریب بھائی اور بہن بھی دین کی حفاظت کے اس عظیم کام میں ضرور شریک ہو۔ دیکھنا ہے کہ بورڈ کے ذمہ داران مالی وسائل کے سلسلہ میں امت کے خواص کے علاوہ عوام کو بھی آواز دیتے ہیں یا نہیں؟ جو برکت غریب عوام کے تعاون میں ہوتی ہے، اور اس کے ذریعہ سے عوام کا اپنی قیادت سے جو ربط قائم ہوتا ہے وہ دوسری شکلوں میں نظر نہیں آتا —— یہ بات اس عاجز نے اپنے ذاتی ذوق ورجحان اور طرز عمل کے مطابق لکھی ہے۔ وللناس فیما یعشقون مذاھب۔

☆☆☆

محفل (۱۴۷) سورۃ الأنعام (۶)

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

ردِّ شرک اور حقانیتِ توحید کا ایک جامع بیان رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ پاک سے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَی اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ﴿۶۲﴾ قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۫ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ

(اے پیغمبر) ان لوگوں سے کہو کہ مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کو معبود بناؤں جن کو تم اللہ سے ورے پکارا کرتے ہو۔ کہو کہ میں تمہارے باطل خیالات پر چلنے والا نہیں۔ میں نے اگر ایسا کیا تو پھر میں گمراہ ہوا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں نہ رہا (۵۶) کہو کہ میں بلاشبہ اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور تم نے اسے جھٹلایا ہے۔ وہ چیز جس کی تم جلدی مچاتے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ حق کو لازم رکھتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے (۵۷) کہو کہ وہ چیز جس کی تم جلدی مچاتے ہو اگر میرے ہاتھ میں ہوتی تو میرے تمھارے درمیان کا جھگڑا کبھی کا طے ہو چکا ہوتا۔ (لیکن وہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے) اور اللہ ظالموں کا خوب حال جانتا ہے (۵۸) اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، اس کے سوا اور کوئی اس کا علم نہیں رکھتا۔ اور وہ ان سب چیزوں کا علم رکھتا ہے جو خشکی اور تری میں ہیں اور کوئی پتّہ بھی نہیں گرتا مگر اسے اس کا علم ہوتا ہے۔ اور زمین کی تاریکیوں میں پڑا کوئی دانہ ہے نہ کوئی ہری یا سوکھی چیز جو ایک روشن کتاب میں درج نہ ہو (۵۹) اور وہی ہے جو رات میں تم کو وفات دیتا اور تم نے دن میں جو کیا ہوتا ہے اسے جان رہا ہوتا ہے، پھر دن میں تمھیں اُٹھا کھڑا کرتا ہے۔ تاکہ زندگی کی مدت پوری ہو جائے۔ پھر اسی کی طرف تمھیں لوٹنا ہے اور وہ تمھیں تمھارے اعمالنامے سے باخبر کرے گا۔ (۶۰) اور وہ زور دست و غالب اپنے بندوں پر ہے اور اپنے نگہباں تم پہ مقرر کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے تو ہمارے فرستادے اس (کی روح) کو اپنے قبضہ میں لے لیتے ہیں اور ذرا بھی کوتاہی اس میں نہیں کرتے (۶۱) پھر وہ (بندے) اپنے حقیقی مالک کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ جانتے رہو کہ حکم و اختیار اسی کا ہے اور وہ نہایت جلد فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۶۲)

کہو کہ وہ کون ہے جو تمھیں بحر و بر کی اندھیریوں میں اس دم نجات سے ہمکنار کرتا ہے جب تم گڑگڑاتے ہوئے بھی اور چپکے چپکے بھی اسے پکارا کرتے ہو کہ اگر ہم کو اس مصیبت سے نجات دلا دے تو بالیقین ہم شکرگزاروں میں سے ہو کے رہیں گے۔ (۶۳) کہو (اے پیمبر) کہ اللہ تم کو اس مصیبت سے اور دوسری بھی ہر تکلیف سے نجات دلاتا ہے پر تم پھر بھی شرک کیا کرتے

ہو (۶۴) کہہ دو کہ اس کو قدرت ہے کہ تم پر اوپر سے یا تمھارے پانؤں کے نیچے سے عذاب لے آئے یا تمھیں گروہوں میں بانٹ کے باہم بھڑادے اور ایک کو دوسرے کی سختی کا مزہ چکھائے۔ دیکھو کہ کیسے طرح طرح کا انداز ہم اپنی آیات کو دیتے ہیں کہ شاید یہ سمجھ جائیں (۶۵)

اور تیری قوم نے اسے پیغمبر اسے جھٹلایا، حالانکہ وہ سراپا حق ہے۔ کہو کہ میں تم پر کوئی دروغہ نہیں بنایا گیا ہوں (۶۶) ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے پس جلد ہی تم جان لوگے (۶۷)

آیتوں کا بنیادی مضمون

یہ جملہ آیات ایک ہی مضمون سے متعلق ہیں، توحیدِ حق تعالیٰ کا مختلف پہلوؤں سے ایسا واضح بیان کہ شرک کی درآئی کے لئے کہیں سے گنجائش نہ رہ جائے اور دل پہ اگر مہر نہ لگ چکی ہو تو وہ شرک کی طرف سے بند ہی ہو جائے۔

قریش کی خواہشِ مصالحت سے انکار

فرمایا گیا ہے: قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ ۔۔۔۔ پیمبر! مشرکین سے کہدو کہ تم جنھیں معبود بنائے ہوئے ہو مجھے ممانعت ہے کہ میں بھی ان کو پوجنے لگوں۔'' ان کی خواہش تھی کہ محمد کچھ ہمارے معبودوں کی بات بھی رکھ لیں تو ہم بھی نرم پڑ جائیں۔ سورہ قلم میں اس کی بابت ارشاد ہوا ہے ''وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَیُدْهِنُوْنَ (چاہتے ہیں کہ تم اگر کچھ نرم پڑ جاؤ تو وہ بھی نرم ہو جائیں۔ ۹/۶۸) اس کا جواب دلوایا گیا ہے کہ یہ خیال دل سے نکالدو۔ اور پھر مزید ''میخ ٹھونک دینے'' کیلئے حکم ہو رہا ہے کہ ان کے مشرکانہ عقیدوں کو محض باطل خیالات واوہام بتاؤ اور کہو کہ میں تمھارے اَہواء (باطل خیالات) کی پیروی کرنے والا نہیں ہوں ۔ایسا کروں تو میں گمراہی میں پڑ جانے اور ہدایت سے محروم ہو جانے والا ہوں گا ۔ (وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ یعنی یہ خالص گمراہی ہے۔ اور کہاں وہ مقام کہ میں تمھاری ہدایت کے لئے دن رات ایک کرتا ہوں اور کہاں یہ کہ میں خود ہی ہدایت سے دور جا پڑوں!

نیز کہلوایا گیا کہ میں جو کچھ کر رہا اور کہہ رہا ہوں وہ اپنے رب کی طرف سے آئی ہوئی کھلی دلیل وشہادت (یعنی قرآن) کی بنیاد پر، جب کہ تم کوئی دلیل وحجت نہ رکھتے ہوئے اسے جھٹلانے پہ جمے ہوئے ہو۔ یعنی سوچ لو کہ پھر انجام کیا ہونا ہے؟ اور رہا تمھارا تقاضہ کہ میں وہ عذاب لے آؤں جس سے تم کو تمھارے

تکذیبی رویہ پر ڈراتا ہوں، تو سن لو کہ وہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے، اس کا اختیار صرف اللہ ہی کا ہے (مَا عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِهٖ ؕ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ، اور وہ (یَقُصُّ الۡحَقَّ وَهُوَ خَیۡرُ الۡفٰصِلِیۡنَ﴿۵۷﴾ (۱) حق وحکمت کو لازم رکھتا اور بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ تمھارے اس مطالبہ پر جو فیصلہ مناسب سمجھے گا وہ کرے گا۔ یہ نہیں کہ تم چیلنج دے رہے ہو تو بس اپنی عظمت وقدرت دکھانے کے لئے عذاب نازل کردے۔ نیز کہلوایا گیا کہ وہ چیز (عذاب) جس کا تم مجھ سے مطالبہ کرتے ہو اگر واقعۃً میں میرے قبضۂ قدرت میں ہوتا تو جھگڑا کبھی کا نپٹ گیا ہوتا۔ شکر کرو کہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ نے اپنے اختیار میں رکھی ہے۔ اور وہ اگر ڈھیل دینے میں حکمت دیکھتا ہے تو اس سے کسی دھوکہ میں نہ پڑ جانا، وہ ظالموں کو خوب جانتا ہے (وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِالظّٰلِمِیۡنَ﴿۵۸﴾) یہاں نہیں تو آخرت میں کیفرِ کردار کو پہنچادئے جاؤ گے۔

اللہ کا علمِ غیب اور اس کی وسعت

پھر غیب، جس سے عذاب کے نزول کا تعلق ہے، اس کا عالم صرف اللہ ہی کو بتانے کے لئے فرمایا ''وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ۔۔(اور خزانۂ غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں) پھر اسکے علم کی وسعت بتانے کے لئے فرمایا گیا'' وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ۔۔۔۔الاٰیة۔ یعنی علمِ غیب تو خاص اس کا ہے ہی، عالمِ شہود جو سب کے لئے کھلا ہوا ہے اس کا بھی مکمل احاطہ کرنے والا علم صرف اسی کو حاصل ہے، بحر وبر کی چھوٹی بڑی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں، کوئی پتہ درخت سے گرے تو وہ اور کوئی دانہ زمین میں بودیا گیا ہو تو وہ، سب ایک ایک کرکے کتابِ مبین (لوحِ محفوظ) میں مندرج ہے۔

موت کے بعد زندگی کا ایک نمونہ دنیا میں!

اوپر کی آیت میں آیا ''وہ ظالموں کے احوال سے پوری طرح باخبر ہے'' اپنے اسی علمی احاطہ کے بارے میں کسی شبہ کی گنجائش نہ رہنے دینے کے لئے یہ بحر وبر پر اپنے احاطۂ علم کا حال سنایا گیا۔ اور یہ سب جس آنے والی زندگی پر ایمان لانے کی دعوت کے لئے سنایا جارہا ہے، اُس زندگی کی ایک ہلکی سی مثال، جس کا تجربہ انسان اِسی دنیاوی زندگی میں ہر روز کرتا ہے، اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے، فرمایا جارہا ہے ''وَهُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰىكُمۡ بِالَّیۡلِ۔۔۔۔الاٰیة وہی ہے جو رات کو تمھیں موت جیسی نیند سلا کر صبح کو پھر زندہ اٹھاتا ہے، اور گذشتہ دن میں جو کچھ تم کئے ہوتے ہو وہ اس کے علم میں ہوتا ہے۔ اور یہ سلسلہ اُس پوری مدت میں جاری رہتا ہے جو تمہاری زندگی کے لئے لکھدی گئی ہوتی ہے۔ رات پر رات آتی ہے اور پھر صبح کو ایک 'نئ'

زندگی مل جاتی ہے۔ فرمایا: ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ (پس سمجھ لو اسی طرح دنیاوی زندگی کی مدت کا خاتمہ ہوجانے اور واقعی موت کی نیند سوجانے کے بعد تم اُٹھائے جاؤ گے، اور جیسا کہ کہا جارہا ہے اللہ کے حضور میں پیش ہوگے جہاں میں وہ سب تمھیں جتائے گا جو تم کرتے رہے تھے۔۔۔۔ درمیان میں ایک جملہ آیا ''اور تم گذشتہ دن میں جو کچھ کئے ہوتے ہو وہ اس کے علم میں ہوتا ہے۔'' اس کے ذریعہ نوٹ کرایا جارہا ہے کہ ظالمو! کام تو تم ایسے کئے ہوتے ہو کہ دوسرا دن دیکھنے کی مہلت تمھیں نہ ملنی چاہئے، پر اللہ فوراً نہیں پکڑتا زندگی کی مدت پوری کرنے کا موقع اس سب کے باوجود اپنے کرم سے دیتا ہے۔

اللہ کے حکمِ تکوینی پر کسی کو مجالِ دم زدن نہیں

اُخروی زندگی کے باب میں جو جو شبہات ان جھٹلانے والوں کا گمراہ ذہن اُٹھا سکتا تھا بظاہر ان سب ہی کی جڑ ان آیتوں میں اُکھاڑی جارہی ہے۔ آگے فرمایا: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ۔۔۔۔۔۔ الآیۃ۔ اور وہ اپنے بندوں پر پورا قابو رکھتا ہے اور تم پر نگہبانی کے لئے اپنے فرشتے اس نے متعین کر رکھے ہیں۔ وہ سارا کچا چٹھا لکھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ آدمی کی موت کا وقت آجاتا ہے، تو ہمارے فرشتے جاکر اسے اپنے قبضہ میں لے لیتے ہیں اور وہ بھی حکم کے بندے ہیں، ذرہ برابر کمی کوتاہی اس کام میں نہیں کرتے''۔ یہ ہے بندوں پر کامل غلبہ کا مفہوم کہ انسان بس جبھی تک زندہ ہے جبتک اللہ کی طرف سے مقررہ موت کا وقت نہیں آتا۔ اور یہ وقت آجائے تو اس کام کے لئے بھیجے گئے فرشتے بالکل وہی کرنے کے پابند ہیں جو انھیں حکم ملا ہے۔ اور اس کے بعد ایک دن وہ وقت آئے گا (حشر) کہ اُس ہستی کا سامنا انسانوں کو ہوگا جو فی الواقع ان کی مالک ہے اور معبودانِ باطل کا طلسم پاش پاش ہوجائے گا۔ فرمایا: ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ۝ (پھر وہ اپنے مالکِ حقیقی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور وہ نہایت تیز حساب کرنے والا ہے۔) یعنی یہ شبہ نہ ہو کہ ازل سے ابد تک کی مخلوق کا حساب ایک اکیلا اللہ کیسے لے گا؟ وہ اسرعُ الحاسبین ہے۔

مشرکین کی زبانِ حال میں توحید کی گواہی

ایک گفتگو ختم ہوئی، اب آگے ان کفار کو ان کی زندگی کے بعض وہ لمحات یاد دلایا جاتے ہیں جن میں وہ اپنے ٹھیرائے معبودوں کو یکسر بھول کر زبانِ حال سے اقرار کر رہے ہوتے ہیں کہ اللہ ہی بے شریک مالک

الملک ہے۔ فرمایا: کہو اے پیمبر کہ کون اُس وقت تمھیں بحر و بر کی اندھیریوں سے نجات دلاتا ہے جب تم چپکے چپکے اور گڑگڑاتے ہوئے اسے پکارتے اور کہتے ہو: کہ وہ اگر اس مصیبت سے ہمیں صحیح سلامت نکالدے تو لاریب ہم شکرگزاروں میں سے ہوکے رہیں گے؟ اس سے بڑھ کر اور کیا حجت ان کے شرک کے خلاف ہوسکتی ہے کہ یہ تو اپنی زبانِ حال سے توحید کی شہادت دے رہے ہیں۔ لیکن اس پر بھی شرک سے باز نہیں آتے۔ خطرہ سے باہر ہوئے اور اپنی بت پرستی کی طرف لوٹ گئے۔ کہلوایا جارہا ہے کہ اللہ تمھیں اسی ایک مصیبت سے کیا اور بھی جب پکارتے ہو وہ کرم فرماتا ہے لیکن تم ''ثُمَّ اَنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ﴿۶۴﴾'' پھر بھی شرک نہیں چھوڑتے۔

اچھا تو پھر انتظار اس روش کے نتیجہ کا کرو

ایسوں کے ساتھ کیا معاملہ اس کے سوا ہونا چاہئے کہ نشان مٹادیا جائے؟ اور یہ اللہ کے لئے کیا مشکل؟ معاملہ کے اس رُخ سے نقاب اُٹھانے کے لئے حکم ہورہا ہے: قُلۡ ہُوَ الۡقَادِرُ عَلٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَ عَلَیۡکُمۡ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِکُمۡ ۔۔۔الآیۃ (کہو کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ تم پر اوپر سے عذاب لے آئے یا نیچے سے لے آئے، یا ایسا نہیں تو آپس کے جنگ و جدال کا عذاب تم پر مسلط کردے۔ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَفۡقَہُوۡنَ﴿۶۵﴾ تو اے نبی دیکھو کس کس پیرایہ سے سمجھانے کی کوشش نہیں فرمائی جارہی ہے! لیکن تمھاری قوم جھٹلانے سے باز نہیں آرہی۔ وَ کَذَّبَ بِہٖ قَوۡمُکَ وَ ہُوَ الۡحَقُّ ؕ (حالانکہ وہ حق ہے) تو تم اب کہدو کہ میں تم پر کوئی داروغہ نہیں ہوں (قُلۡ لَّسۡتُ عَلَیۡکُمۡ بِوَکِیۡلٍ﴿۶۶﴾'' کہ جبر کرکے تم سے منوا ہی لوں۔ بلکہ اب تو بس اس ڈراوے کے ظہور کا انتظار کرنا ہے جو مسلسل تمھارے کانوں میں ڈالا جاتا رہا ہے، اور جس کا ایک وقت عنداللہ مقرر ہے، (لِکُلِّ نَبَاٍ مُّسۡتَقَرٌّ ۟ وَّ سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ﴿۶۷﴾ پس وقت آئے گا تو تم جان لوگے کہ میں جس چیز سے ڈراتا تھا وہ بالکل یقینی اور شدنی تھی۔

☆☆☆

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

نیا چیلنج، اور علمائے حق کی ذمہ داری

۱۹۷۱ء میں سابق مشرقی پاکستان میں ہندوستانی افواج کی زبردست کامیابی اور سقوط ڈھاکہ کے بعد محترمہ اندرا گاندھی ایک عجب نشۂ قوت سے سرشار ہوگئی تھیں —— اور سنا ہے کہ کچھ پنڈتوں نے ان سے کہا تھا کہ آپ درگا دیوی ہیں، آپ ہی کے زمانے میں بھارت ہندو راشٹر بنے گا اور یہ پورا برصغیر اکھنڈ بھارت، بس وہ تو آسمانوں میں پرواز کرنے لگیں، اور انہونی کو کر دکھانے کے ارادے ان کے تیور سے جھلکنے لگے۔

ادھر ہمارے کچھ علماء اور ان کے زیر قیادت کچھ جمعیتیں جو رویہ ظاہر کر رہی تھیں وہ وہ نہیں تھا جس کی ان سے توقع تھی —— اس صورت حال پر جو حضرات شدید کرب محسوس کر رہے تھے ان میں سے ایک تھے ہمارے مخدوم و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی —— اسی زمانے میں ان کی دارالعلوم دیوبند تشریف آوری ہوئی۔ وہاں انہوں نے طلبہ دارالعلوم سے جو خطاب کیا، اس میں ملک میں اسلامی وجود اور مسلمانان ہند کے ملی تشخص اور ان کی تہذیبی انفرادیت کو درپیش خطرات کا شدید احساس جھلک رہا تھا، اور اس کا رنج بھی کہ ان خطروں کا جو احساس بعض ذمہ دار افراد اور حلقوں کو ہونا چاہئے تھا، وہ نہیں نظر آرہا، بلکہ ذاتی مصالح کی فکر یا دفاعی اور معذرت خواہانہ انداز غالب نظر آرہا ہے۔

حضرت مولانا کا وہ خطاب آج کے حالات میں بھی بالکل تازہ اور حسب حال محسوس ہوتا ہے۔ اور اسی طرح وہ تمہیدی یا تعارفی کلمات بھی جو اس زمانے میں حضرت مولانا کے اسی قسم کے خطبات و رسائل کے ابتدائیہ کے طور پر مجلس تحقیقات ونشریات اسلامی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سکریٹری کی حیثیت سے (موجودہ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی نے لکھے تھے، موجودہ حالات ہی کی ترجمانی کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ انہوں نے اسی زمانے کے ایک رسالہ کے پیش لفظ میں لکھا ہے:

''باخبر حضرات سے مخفی نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں عرصہ سے بعض حلقوں کی طرف سے وحدت ادیان کی دعوت دی جارہی ہے، دوسری طرف سرکاری و سیاسی حلقے قومی یکجہتی کی تحریک چلا رہے

ہیں، ملک کے بہت سے دانشور، اخبارات و رسائل اس کی تشریح ایسی کرتے ہیں، جس سے ''من وتو'' کا امتیاز اور مختلف فرقوں کی تہذیبی خصائص بالکل ہی ختم ہوجائیں، ہندوستان کے مسلمان اس وقت جس احساس کہتری اور شکستہ دلی کا شکار ہیں، اس سے اندیشہ معلوم ہوتا ہے (اور اس کے آثار بھی کہیں کہیں نظر آنے لگے ہیں) کہ وہ اس دعوت سے متأثر ہوکر ان خطوط وحدود کو بھی عبور کر جائیں گے جن کے بعد مسلمانوں کا مسلمان رہنا بھی مشکل ہے۔

اس اندیشہ کو اس سے بھی تقویت ہوتی ہے کہ خود مسلمانوں میں بہت سے تعلیم یافتہ اصحاب اسلام کو محض چند عقائد اور اعمال و رسوم کا مجموعہ سمجھتے ہیں، اور وہ کسی مستقل و مکمل اسلامی تہذیب کے قائل نہیں، اس صورت حال نے اس کا خطرہ پیدا کر دیا ہے کہ ہندوستان میں پھر ایک نئی شکل میں عہد اکبری کا آغاز ہو، بہت سے نفسیاتی وسیاسی اسباب کی بنا پر اِس دور میں مسلمانوں کے اس سے کہیں زیادہ متأثر ہوجانے اور اپنی انفرادیت کھو دینے کا خطرہ ہے، جتنا اُس وقت تھا''—— اب آپ ذیل میں حضرت مولانا ندوی کا مذکورہ خطاب ملاحظہ فرمایئے جسے ملخصاً پیش کیا جارہا ہے۔]

نیا زمانہ، نئے فتنے

عزیزان گرامی! آپ کی درس گاہ کی بنیاد حمیت اسلامی پر پڑی، آپ کی درس گاہ کی بنیاد زمانہ کے چیلنج کے قبول کر لینے پر پڑی، اب زمانے کے نئے چیلنج کو آپ نظر انداز نہیں کر سکتے، کم سے کم دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء کے لئے اس چیلنج کو نظر انداز کرنے کا کوئی جواز نہیں اسلئے کہ ان کی بنیاد ہی زمانہ کے چیلنج کو قبول کرنے پر پڑی تھی مغربی تہذیب اور معاشرت اور انگریزی تعلیم جس کے ساتھ کسی قسم کی مذہبی رہنمائی اور اخلاقی تعلیم وتربیت کا انتظام نہیں تھا اس زمانہ کا فتنہ تھا۔

لیکن فتنے کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے اور ایک ہی فتنہ ہمیشہ نہیں ہوتا، نئے نئے فتنے سر اٹھاتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے نئے نئے خطرے سامنے آتے ہیں، جاہلیت نئے نئے روپ میں سامنے آتی ہے اور بڑے دم خم کے ساتھ میدان میں اترتی ہے اقبال نے غلط نہیں کہا تھا ع

اگرچہ پیر ہے مومن، جواں ہیں لات ومنات

بڑی خطرناک بات ہے کہ لات ومنات یعنی باطل طاقتیں، اور جاہلیتِ قدیم تو زندگی اور جوش و خروش سے بھرپور ہوں اور مومن میں جو سیدنا ابراہیمؑ کا وارث اور نائب ہے، کہنگی اور فرسودگی، پستی اور افسردگی، کنارہ کشی اور پسپائی کی ذہنیت پیدا ہوجائے، لات ومنات نئے دم خم کے ساتھ، نئی امنگوں اور

ولولوں کے ساتھ، نئی تیاریوں اور نئے طریقوں کے ساتھ، نئے نعروں اور نئی للکاروں کے ساتھ میدان میں آئیں اور مومن پر موت کی نیند طاری ہوجائے، اس کے قویٰ میں افسردگی اور اضمحلال پیدا ہوجائے، وہ زندگی کے میدان سے فرار اختیار کرکے یا کنارہ کش ہوکر کسی گوشۂ عافیت کو تلاش کرلے، جہاں وہ اپنی زندگی کے دن گذار سکے، اور لات ومنات خم ٹھونک کر میدان میں کھڑے ہوں، اور دعوتِ مبارزت دے رہے ہوں۔

عہد جدید کا فتنۂ کبریٰ

حضرات! اس زمانہ کا فتنہ اور چیلنج کیا ہے؟ اس زمانہ کا چیلنج یہ ہے کہ اسلام کو جداگانہ تہذیب، اس کی مخصوص معاشرت، اس کے عائلی قانون، اس کے نظام تعلیم، اس کے زبان وادب، اور رسم الخط، اور اس کے پورے ورثہ سے الگ کردیا جائے، اور اسلام چند عبادات، اور چند رسوم وتقریبات کا (جو بعض مذاہب کا کل سرمایہ، اور بعض قوموں کا واحد مذہبی نشان ہے) مثلاً شادی اور غمی میں کیا ہونا چاہئے، مردے کو کس کس طرح آخری مرحلہ سے گذارا جائے، وغیرہ وغیرہ، بس اسلام انہی مذہبی ومعاشرتی رسوم (Rites) کا مجموعہ بن رہ جائے، میں نہیں جانتا کہ کل کیا ہو، لیکن پھر بھی اندازہ ہے کہ شاید ابھی یہ مرحلہ دور ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں سے کہا جائے کہ آپ کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، آپ روزہ نہیں رکھ سکتے، آپ زکوۃ نہیں دے سکتے، لیکن یہ مرحلہ ضرور آگیا ہے کہ مسلمانوں سے اشارہ وکنایہ سے، اور کبھی کبھی صاف صاف کہا جاتا ہے کہ مسلمان اپنی رضا ورغبت سے اپنی جداگانہ تہذیب اور ہر اس چیز سے بے تعلقی اختیار کرلیں، جو ان میں ایک الگ ملت اور الگ تہذیب کا وارث ہونے کا احساس پیدا کرتی ہے، وہ خود ہی یہ اعلان کردیں کہ ہم کسی جداگانہ تہذیب کے حامل نہیں ہیں، وہ خود اپنے عائلی قانون (پرسنل لا) میں اصلاح وترمیم کا مطالبہ کریں اور اپنے لئے وہی یکساں قانون پسند کریں جو سارے ملک کے لئے نافذ ہو، وہ اپنے تمام تعلیمی مرکزوں کو جو انہوں نے اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق قائم کئے تھے، حکومت کی تحویل اور انتظام میں دیدیں، اور ان کے نظم ونسق سے خود دست بردار ہوجائیں، تاکہ ان سے ایک ہی طرح کے ماڈل تیار کئے جائیں جو اس سیکولر اور اشتمالیت پسند ملک سے ہم آہنگ ہوں، آج صاف صاف کہا جارہا ہے کہ اگر مسلمانوں کو اس ملک میں رہنا ہے تو ان کو قومی دھارے میں بہنا چاہئے، قومی دھارے کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ تمام تشخصات سے دست بردار ہوجائیں، آج کا مطالبہ یہ ہے کہ مسلمان رہو! تمہیں کوئی نہیں ٹوکتا، یہ فرقہ وارانہ فسادات تو ایک مریض کی ہذیانی کیفیت، اور ہسٹریا کا ایک دورہ ہے جو ہمیشہ نہیں رہے گا، آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ بہت کم ہوگئے

ہیں، اور میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ وہ اور بھی کم ہو جائیں گے میرے نزدیک یہ اصل خطرہ نہیں، **اصل خطرہ نسل کشی کا نہیں، معنوی ارتداد کا ہے، ذہنی وتہذیبی ارتداد، اس خطرے کو دیکھنے اور اس کو محسوس کرنے کے لئے کسی بڑی فراست اور دور بینی کی ضرورت نہیں یہ تو دیوار کا نوشتہ ہے جس کو ہر ایک پڑھ سکتا ہے۔۔۔۔**

دینی بدعات، اور منکرات سے نبرد آزما ہونے والوں کے اخلاف کی ذمہ داری

عزیز طلبہ! آپ کے اسلاف وہ تھے جنہوں نے بدعت کے ساتھ ادنی مصالحت گوارہ نہیں کی، آپ کے اسلاف نے آج تک مولود کے قیام کی اجازت نہیں دی، کتنے رسوم اور طریقے ہیں جو مسلمانوں کی زندگی میں داخل ہو گئے ہیں، اور مذہبی فرائض اور شعائر کی حیثیت اختیار کر لی ہے، لیکن آپ کا جس مکتبِ خیال اور مسلک سے تعلق ہے، اس کے علماء نے ان کی ہمیشہ مخالفت کی، ان کو بدعت اور بے اصل بتایا، اس کی ان کو معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی؛ ان کا مقاطعہ کیا گیا، ان کو مسجدوں سے نکالا گیا، ان پر کفر وضلالت کے فتوے لگائے گئے، وہ بہت سے دنیوی مفادات اور لذتوں سے محروم رہے، لیکن انہوں نے ان چیزوں کے ساتھ ذرا بھی رواداری نہیں برتی، اور کسی مداہنت اور مصلحت کوشی سے کام نہیں لیا، میرا خود اسی کیمپ سے تعلق ہے جو شرک وبدعات کے مقابلہ میں سربکف رہا ہے، بلکہ میرا تعلق اس خاندان سے ہے جو اس سلسلہ میں بہت آگے رہا ہے، اور جو شرک وبدعت کے معاملے میں بہت زیادہ ذکی الحس واقع ہوا ہے، میرا نسبی وروحانی اور ذہنی تعلق حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ سے ہے جنہوں نے اس ملک میں احیاء توحید اور سنت کی دعوت کا علم بلند کیا اور اس کے لئے جان کی بازی لگا دی۔۔۔

آپ ان اسلاف کے نام لیوا ہیں جنہوں نے دین میں ادنیٰ تحریف اور مسلمانوں کے ادنیٰ انحراف کو پسند نہیں کیا، آج معاملہ بدعات کا نہیں، آج معاملہ انگریزی تعلیم کا نہیں ہے، آج معاملہ ایک طرف شرک جلی، اصنام پرستی، اور دیومالائی عقائد (میتھالوجی) کا ہے، آج معاملہ برہمنی تہذیب اور ہندو معاشرت قبول کرنے کا ہے۔۔۔۔آج کا چیلنج اور آج کا خطرہ پچھلے تمام چیلنجوں اور خطرات سے زیادہ سنگین ہے، اور اس کے قبول کرنے کے لئے کہیں زیادہ جرأت، کہیں زیادہ ایمان اور استقامت، اور کہیں زیادہ ایثار وقربانی کی ضرورت ہے۔

موجودہ انقلاب کی برق رفتاری وہمہ گیری

پہلے انقلاب بڑی سست رفتاری، اور آہستہ خرامی کے ساتھ آتا تھا، جیسا زمانہ تھا ویسا ہی انقلاب بھی، وہ بیل گاڑیوں، ہاتھیوں اور اونٹوں اور زیادہ سے زیادہ تیز رفتار گھوڑوں کا زمانہ تھا، اس وقت انقلاب انہیں

سواریوں کی رفتا سے آتا تھا، پھر ریل چلی انقلاب ریل پر سفر کر کے آنے لگا، جہاز چلے، انقلاب کی رفتار تیز ہوگئی، اب انقلاب ایٹمی انرجی استعمال کرتا ہے آواز سے زیادہ تیز جہازوں اور ریڈیو، اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ دم کے دم میں گھر گھر پہونچ جاتا ہے۔

اندورنی خطرہ

بڑے خطرے کی بات یہ ہے کہ خود مسلمانوں کے اندر ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی ہے، جو غیر مسلموں کے مقابلہ میں ''مدعی سست گواہ چست'' کی مصداق ہے، وہ کوئی بات ادھ کٹی، اور دبی زبان سے کہتے ہیں تو یہ اس کو ڈنکے کی چوٹ پر کہنے کو تیار ہیں، وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہاں مشترک تہذیب میں ضم ہوجانا چاہئے، اور تمام امتیازات یہاں تک کہ عربی، اسلامی ناموں سے بھی چینی مسلمانوں کی طرح دست بردار ہوجانا چاہئے، وہ صاف کہتے ہیں کہ اگر ہم کو ہندوستان میں رہنا ہے تو ہر اس چیز سے دست بردار ہونا پڑے گا جس سے ''من وتو'' کی تمیز پیدا ہوتی ہے، اور جو مسجد وکلیسا میں امتیاز کرتی ہے، اس وقت جو ذہن ہندوستان کی قیادت کر رہا ہے، وہ ہر اس چیز سے بھڑکتا ہے جو کسی قسم کا امتیاز اور تشخص پیدا کرتی ہے۔

تعیّن ووضاحت اسلام کا امتیاز

لیکن ہمارے دین کے حدود معین ہیں، ہمارے دین کے اس ''اکمّل الامم'' سرزمین میں اپنی جدا گانہ شکل وصورت کے ساتھ باقی رہنے کا راز اسی میں مضمر ہے کہ اس میں آریائی مذہب کی طرح اطلاقیت یا تعینات سے گریز، اور رقت وسیّالیت نہیں ہے، جس نے ہمہ اوست کے عقیدہ کو یا وحدت ادیان کے فلسفے کو جنم دیا، ہمارے یہاں کفر وایمان، شرک وتوحید، ضلالت وہدایت اور حلال وحرام کے درمیان واضح طریقہ پر خط کھینچا ہوا ہے۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ	تو جو شخص سرکش سے اعتقاد نہ رکھے اور خدا پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے، جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں ہے۔

وحدت ادیان نہیں وحدت حق

وہ وحدت ادیان کا نہیں وحدت حق کا قائل ہے یعنی سب دین ایک نہیں، بلکہ حق ایک ہے وہ صاف اعلان کرتا ہے۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾	اورحق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا،تو تم کہاں پھرے جاتے ہو۔

اس کا ایک واضح اور معین نظامِ عقائد ہے اس کی ایک مستقل تہذیب ہے، مکمل قانون اور نظامِ معاشرت ہے، اس کے لئے اس کے صحیفے میں صاف اعلان موجود ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ	آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں ، اور تمہارے لئے اسلام کو پسند کیا

یہاں نہ کوئی اپنے آپ کو دھوکہ دے سکتا ہے نہ دوسرے کو، یہاں دن کی روشنی ہے جس میں سپید وسیاہ صاف نظر آتے ہیں۔۔۔

دو حقیقت بیں آنکھیں

عزیزو! مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دارالعلوم اور مولانا محمد علی صاحبؒ مونگیری بانی ندوۃ العلماء کو کس چیز نے تڑپایا تھا، ایک کو یہاں اور دوسرے کو وہاں، میں ان دونوں میں کچھ فرق نہیں سمجھتا، میں ان کو ایک ہی چہرۂ زیبا کی دو آنکھیں سمجھتا ہوں، دونوں روشن دونوں پاکباز اور حقیقت بیں، ایک ہی نور باطن اور ایک ہی فراست ایمانی دونوں میں کام کر رہی تھی، دونوں ہی اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله کا مصداق تھے، دونوں تعلیمی مرکزوں میں نصاب ایک وسیلہ تھا مقصد نہیں، اس کے اختلافات بنیادی حیثیت نہیں رکھتے، مولانا محمد علی مونگیریؒ اور ان کے رفقاء کی تحریریں پڑھئے، ان کی نگاہ ان جزئیات سے بہت بلند تھی، اگر کوئی یہ سمجھے کہ انہوں نے عربی ادب کو غالب کرنے کے لئے یا تاریخ اسلام اور علوم عصریہ کو جگہ دینے کے لئے ندوۃ العلماء کی تحریک شروع کی تھی تو اس سے بڑھ کر کوئی حق تلفی ان کے ساتھ نہیں ہوسکتی، دونوں نے اپنے اپنے زمانہ کے فتنے کا مقابلہ کیا، ایک نے یہاں قلعہ تعمیر کیا دوسرے نے وہاں، دونوں نے اپنے اپنے زمانہ کے چیلنج کو قبول کیا، اور بدلے ہوئے زمانے کے مطابق دین کے محافظ، حق کے داعی اور شریعت کے ترجمان پیدا کرنے کی کوشش کی، خدا ان دونوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب سے سرفراز فرمائے، اور ان کے تمام رفقاء اور معاونین کو جزائے خیر دے، اور ہمیں ان کے صحیح مقاصد کے سمجھنے، اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اصلاح وتجدید کی تاریخ میں افراد کا مقام اور کام

میرے عزیزو! اسلام میں تجدید واصلاح کی پوری تاریخ، افراد کی اولوالعزمی کی تاریخ ہے، کہنے کو یہ ملی اور اجتماعی تاریخ ہے اور بیشک ہے، لیکن عملاً یہ از اول تا آخر افراد کی صلاحیتوں، ان کے عزم وہمت کی نمود ہے، جب کبھی اسلام کے لئے موت وحیات کی کوئی کشمکش پیش آئی، جب کسی طرف سے دین اسلام کو للکارا گیا تو کوئی فرد کامل، کوئی صاحب عزم ہستی سامنے آ گئی، ایسے موقع پر نہ کوئی کونسل بیٹھتی تھی، نہ کوئی مشورہ ہوتا تھا، کوئی صاحب یقین سامنے آجاتا تھا، اور حالات کو یکسر بدل کر رکھ دیتا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز، اور سیدنا حسن بصری سے لے کر خاندان ولی اللہی اور ان دینی مرکزوں کے بانیوں، اور موجودہ دینی دعوتوں اور کوششوں کے علمبرداروں تک سب کا یہی معاملہ ہے کہ

کارزلف تست مشک افشانی امّا عاشقاں
مصلحت راتہمتے برآہوئے چیں بستہ اند

مجدد صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب کا کارنامہ

اقبال نے حضرت مجدد الف ثانی کے متعلق بالکل صحیح کہا تھا کہ:

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبر دار

انہیں کی کوششیں تھیں کہ ہندوستان کا رشتہ دین حجازی، اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کٹنے نہیں دیا، اور وہ تہذیبی لحاظ سے برہمنیت، اور فکری واعتقادی لحاظ سے ویدانت کے آغوش میں جانے کے بجائے اسلام و شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحویل اور امانت میں رہا، انہیں کا مخفی ہاتھ تھا، جس نے اکبر کے تخت پر بالآخر محی الدین اورنگ زیب جیسے غیور اور فقیہ بادشاہ کو بٹھایا، پھر اس ملک میں تجدید واحیاء دین کا جو کچھ کام ہوا وہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے خاندان کا کارنامہ ہے، کیا دیوبند، کیا سہارنپور، کیا دہلی، کیا لکھنؤ، ہم سب انہیں کے خوانِ نعمت کے ریزہ چیں ہیں، دارالعلوم، مظاہر علوم، اور ندوہ اور کتاب وسنت کی تعلیم کی سب درسگاہیں، اسی ایک چراغ سے روشن کئے ہوئے ہیں، ان سب کا سلسلۂ نسب شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے اخلاف نامدار، اور ان کے تلامذۂ باکمال پر ختم ہوتا ہے

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

☆☆☆

پروفیسر توقیر عالم فلاحی ۞

قرآن کریم کا تصور فلاح ونجات

قسط ۱

عظمت قرآن کریم:

قرآن مجید فکر وادب کا وہ شاہکار ہے جس کا مدمقابل اللہ رب العزت کی جانب سے نازل کیا گیا کوئی نوشتۂ ہدایت یا صحیفہ بھی نہیں ہوسکتا، کجا یہ کہ دنیا کے بڑے سے بڑے مصنف ومحقق کی تخلیق وتحقیق ہو۔ اس خدائی نوشتۂ حیات اور عالم انسانیت کو دیئے گئے اس ضابطہ زندگی کا اندازہ اس کے ان مشتملات وموضوعات سے ہوتا ہے جن کی بدولت گلہ بانی کرنے والے غیر متمدن اور وحشی عربوں میں علم وآگہی، تہذیب وشائستگی اور اخلاق وآداب کے قائدانہ اوصاف وکمالات جمع ہوگئے اور انھوں نے دنیا کی امامت وپیشوائی کا فریضہ انجام دیا اور دوسری طرف آخرت کی ابدی اور سرمدی زندگی کی فلاح کا محور قرار دے کر اپنے شب وروز کے معمولات ومصروفیات کا رخ متعین کیا، جس کے نتیجے میں انھیں انسانیت نوازی اور بشر دوستی کا سلیقہ آیا اور یہ طبقۂ انسانی کے ہر خاص وعام کے حقوق وفرائض کے نگہبان بن گئے۔

شفا، رحمت، ہدایت، نور مبین، ذکر، موعظت، بشری، حکمت، قیادت، برہان، تبیان اور بصائر، ایسے عظیم الشان الفاظ سے قرآن مجید کی تعبیر قرآن مجید کی بے مثل عظمت وآفاقیت پر ناطق دلیل ہے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں قرآن کے مقالہ نگار کی ان عبارتوں سے اس کے علو مرتبت اور رفع شان کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے:

> ''قرآن مجید وہ رفیع الشان کتاب ہے جو لوگ اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں، وہ ترقی کی منزلیں طے کرجاتے ہیں اور دینی ودنیوی رفعت حاصل کرلیتے ہیں اور جو لوگ اس کے بتائے ہوئے اصولوں اور مقرر کیے ہوئے پیمانوں کو نظر انداز کردیتے ہیں، وہ ذلت ونکبت کا شکار ہوجاتے ہیں، ان کی روحانیت سلب ہوجاتی ہے اور انھیں عزت وذلت کے درمیان نہ کوئی فرق محسوس ہوتا ہے

۞ ایسوسیٹ پروفیسر، شعبۂ دینیات (سنی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ۔ یوپی

اور نہ ہی پتا چلتا ہے کہ دینی اور دنیوی اعتبار سے ان کے لیے بہتری کا راستہ کون سا ہے''۔[۱]

قرآن مجید کی فکری عظمت کے علاوہ ادبی عظمت کے لحاظ سے بھی دنیا کی تمام کتابوں بشمول کتب الٰہیہ اور صحف سماویہ میں کوئی کتاب بھی اس کی مثیل ومعاند قرار نہیں دی جاسکتی۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات واضح، محکم اور متصل ہیں اور جس کی فصاحت وبلاغت نے عرب کے ائمہ فصاحت وبلاغت کو حیران وششدر کر دیا اور ان کی ہر گفتار پر غلبہ وتفوق حاصل کیا۔ اس کلام الٰہی میں ایجاز واعجاز کے وہ حیرت انگیز پہلو ہیں جن کے سامنے فصحائے عرب کی زبانیں گنگ ہوگئیں۔ حقیقت ومجاز کے وہ لعل وگہر اس کلام میں موجود ہیں جن کا کوئی ثانی نہیں ہوسکتا۔ سورتوں کے آغاز واختتام کے محاسن بے نظیر ہیں اور آیات وسور کے ربط ونظم میں بھی یگانۂ روزگار حسن دعوت فکر ونظر دیتا ہے۔ کلام اللہ کی فضیلت کا اعتراف یوں بھی کیا جاسکتا ہے:

''اس کتاب عزیز نے گویا نظم ونثر کے درمیان ایک ایسا پسندیدہ اور دلآویز اسلوب اختیار کیا، جو بلغائے عرب کے تخیل میں بھی نہ تھا۔ قرآن کے مطالع مقاطع اور مواصل، یعنی جس طرح قرآن مجید کسی بیان کا آغاز اور اس کا خاتمہ کرتا ہے اور جس طرح ایک ایک آیت کو جدا کرتا ہے، وہ حد اعجاز میں داخل ہے''۔[۲]

قرآن مجید کو عالمگیر قراءت کا درجہ حاصل ہے، کروڑوں سینوں کی زینت بنا ہوا ہے، کم وبیش سوا چودہ سو سال سے من وعن محفوظ ومامون ہے اور واقعات وقصص اور پیشین گوئیوں کے علاوہ قرآن مجید کی کسی بھی تعلیم کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ اس کتاب کی عظمت کا یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ پڑھنے والا اس کتاب کو سو بار پڑھے، اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی، بلکہ ہر بار فرط شوق اور نئی تر وتازگی کے ساتھ اس کا جلیس ورفیق بنتا ہے۔ صدیاں گزر گئیں، اس کے باوجود اس کی تعلیمات پر قدامت وفرسودگی کا کوئی دھبہ نظر نہیں آتا، بلکہ تعصب کی عینک اتار کر اس سے فیض حاصل کرنے کا جذبہ صادق جویائے حق کو اس احساس کے ساتھ افکار قرآنی کی دنیا میں سرگرم وفعال رکھتا ہے کہ یہ قرآن خود اس کے زمانے میں نازل ہو رہا ہے اور اس کا مخاطب اول وہ خود ہے۔ قرآن مجید کا یہ وصف اتنا درخشاں اور تابناک ہے کہ ہر متلاشیٔ حق کو اس میں غوطہ زنی کرنے کے بعد لعل وگہر ہاتھ آتے ہیں جو اس دنیا میں انعام یافتگان کی فہرست میں شامل کر دیتے ہیں اور آخرت کی حتمی اور ابدی کامیابی کے لیے بھی توشۂ راہ بن جاتے ہیں۔ قرآن کی فکری اور ادبی عظمت پر ایک صاحب بصیرت دانش ور کا یہ تبصرہ شایان شان ہے کہ قرآن مجید جو خدائی کلام ہے، اپنے تعلیمات وپیغامات کی گیرائی وگہرائی

میں ہی لاثانی نہیں ہے، بلکہ اپنے الفاظ کے انتخاب کی عظمت، تنوع افکار اور الفاظ کی صورت گری میں بھی اس کلام الٰہی کا کوئی مثیل ومعاند نہیں ہے''۔ [۳]

اپنوں کے علاوہ غیروں نے جب قرآن مجید کو تعصب وجانب داری کے حصار سے نکل کر دیکھا، بنظر غائر علوم وفنون کے اس بحر ذخار میں غواصی کی اور رشد وہدایت کے اس چشمہ صافی سے قلبی وابستگی کا ثبوت دیا تو ان کے دلوں کی دنیا بدل گئی اور قرآن مجید پر رطب اللسان ہونے کو باعث شرف وسعادت جانا۔ بالخصوص یورپ کے دانشوروں نے قرآن مجید کو اپنے مطالعہ کا موضوع بنایا اور قرآن کی حقانیت کو تشت از بام کیا۔ بطور مثال قرآن پاک کی اعجازی شان سے متعلق پروفیسر پی۔ کے۔ حٹی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"The style of the holy koran is God's style. It is different, incomparable and inimitable. This is, basically, what constitutes the miraculous character (Ijaz) of the Koran. Of all miracles, it is the greatest, if all men and Jinn were to collaborate, they could not produce its like." (17:90)

[قرآن مجید کا اسلوب خدائی اسلوب ہے۔ یہ متنوع، بے نظیر اور لاثانی ہے۔ یہ بنیادی طور پر وہ اسلوب ہے جو قرآن مجید کے معجزانہ کردار کی تشکیل کرتا ہے۔ تمام معجزات (نبویؐ) میں یہ عظیم ترین معجزہ ہے۔ اگر تمام جن وانس ایکا کرلیں تو اس جیسی تخلیقی کاوش پیش نہیں کرسکتے۔ (۹۰:۱۷)]

یہ کتاب اللہ رب العزت کی طرف سے نازل شدہ وحی الٰہی ہے [۵] جو خاتم الانبیاء محمد عربی ﷺ پر تیئس سال کی طویل مدت میں مختلف احوال وکوائف کے لحاظ سے نازل ہوئی۔ اس کے زمانۂ نزول کے آغاز سے ہی آیات وسور کو ضبط تحریر میں لانے کا اہتمام کیا گیا۔ [۶] یہاں تک کہ ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں، زید بن ثابت کی قیادت میں اس کی جمع وتدوین کا مبارک عمل بحسن وخوبی انجام پذیر ہوا اور اس طرح قرآن مجید کی حفاظت وصیانت سے متعلق اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝ [۷] کے خدائی اعلامیے کی تصدیق کی عملی شکل سامنے آئی۔ صدیاں گزر گئیں، حوادث وانقلابات آئے، قرآن مقدس کو منحوس عزائم کا ہدف بناتے ہوئے اعداء اسلام نے اہل اسلام کے جذبات کو مجروح کیا اور ہنوز اس کا سلسلہ

جاری ہے، لیکن قطع و برید، حذف و اضافہ اور تغیر و تبدل سے متعلق قرآن مجید کے خالق و مالک کا فرمان شک وریب کی زد میں نہیں آیا اور انشاء اللہ قیامت تک اس فرمان باری تعالیٰ کا تقدس برقرار رہے گا۔[8] قرآن مجید کے پایۂ استناد سے متعلق ایک اور انگریز دانش ور کے یہ الفاظ کتاب الٰہی کے شایانِ شان نظر آتے ہیں:

"The Quran, Scripture and credentials of the polity of Islam is ideally identical without addition, without subtraction, whole complete and true record of the Divine revelation."[9]

[قرآن مجید الہامی کتاب ہے اور یہ اسلامی نظام حکومت کا ضابطہ ہے۔ مثالی طور پر یہ بعینہٖ موجود ہے۔ اس میں نہ ہی کوئی اضافہ ہوا ہے اور نہ ہی کوئی کمی واقع ہوئی ہے، مکمل ہے اور وحی الٰہی کا سچا دستاویز ہے۔]

قرآن مجید تمام قسم کے شکوک وشبہات سے بالا اور مستند ترین ضابطۂ زندگی ہے۔[10] یہ ان تمام کتب الٰہیہ کی مصدق ہے جو اس سے پہلے زمانوں میں مختلف پیغمبروں پر اتاری گئیں۔[11] اس کتاب کو تمام قسم کی الٰہی برکتوں اور سعادتوں کے سرچشمہ کی حیثیت حاصل ہے۔[12] دونیا کی دیگر تمام کتب کے مقابلے میں تمام امور و مسائل میں اس کتاب کی حیثیت قول فیصل کی ہے۔[13] موعظت، ہدایت، خیر اور رحمت ہونے کا اسے مقام حاصل ہے۔[14] اسے تبیان اور بشری سے بھی ملقب کیا جاتا ہے۔[15] ضلالت وگمراہی کے قعر عمیق سے نکال کر رشد و ہدایت کی شاہراہ دکھانے والی کتاب ہے،[16] لفظی اور معنوی کجی سے پاک ہے[17] اور یہ حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچنے والی ہے، اسی لیے اسے الفرقان سے موسوم کیا گیا ہے۔[18] اس کتاب حکیم کی تعلیمات کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔[19] قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اور ایک ہی سورہ میں متعدد بار جو یائے حق وصداقت کی ہدایت کے لیے آسان نسخہ ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے۔[20] گویا کہ متعدد آیات وسور میں اس کتاب عزیز کی عظمت و رفعت کے مختلف پہلوؤں کو واشگاف کیا گیا ہے۔ اگر ایک بندۂ خدا ایسے راستے کا طلب گار اور متلاشی ہے جو اسے انعام یافتگان کے زمرے میں لے آئے تو یقیناً اس کے لیے اس نوشتۂ الٰہی میں کافی وشافی راہنمائی ہے اور طلب صادق کو زاد سفر بناتے ہوئے منزل مقصود کا طالب اور ضابطہ الٰہی کی شکل میں اس بحر ذخار کا غواص بجا طور پر اس کتاب

کے رفع شان کا زبان ودل سے یوں اعتراف کرتا نظر آتا ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ۔ [۲۱]

[بلاشبہ یہ قرآن مجید اس راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔]

انسان اور دنیا کے تعلق سے قرآنی تعلیمات:

قرآن مجید کی بین تعلیمات اس صداقت پر ناطق ہیں کہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ تمام اشیائے کائنات اس امتحان گاہ کے لوازم ومقتضیات ہیں۔ گویا آسمان وزمین کی ہر چیز ایک مقصد کے تحت ہے جس کا اعلان اس کتاب الٰہی میں جگہ جگہ ہوتا ہے۔ ۲۲ تخلیق کائنات سے متعلق ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ [۲۳]

[اور ہم نے زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی موجودات کو حق کے سوا اور کسی بنیاد پر خلق نہیں کیا۔]

ایک جگہ تخلیق کائنات کی مقصدیت کا اعلان یوں ہوتا ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ [۲۴]

[ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو ان کے درمیان موجودات ہیں، ان سب کو کھیل کے طور پر نہیں بنایا۔]

اس کائنات کا اصل موضوع یا تمام مخلوقات میں شاہکار کی حیثیت رکھنے والی مخلوق انسان ہے، جس کی تخلیق میں خالق کائنات کے بے پایاں لطف وکرم، مخصوص اہتمام ودلچسپی اور بے مثل صناعی وکاریگری کے جلوے نظر آتے ہیں۔ ایک جگہ انسان کے تخلیقی مراحل کے تذکرہ سے اس کے مہتم بالشان وجود کا علم ہوتا ہے۔ فرمایا جاتا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۤ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ؕ [۲۵]

[ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا، پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری مخلوق بنا کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔]

انسان اس دنیا میں اللہ رب العزت کی جانب سے اس خاص اہتمام وانصرام کے ساتھ وجود میں آیا ہے، اس لیے اسے حسن و جمال اور مخصوص جسمانی ساخت کی بنا پر تمام مخلوقات میں احسن وافضل ہونے کی سند اعزاز سے بھی شرفیاب کیا گیا۔ اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ۲۶

[ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔]

ایک جگہ آدم وحوا کی اولاد کو بارگاہ رب العزت کی جانب سے ان الفاظ میں شرف واعزاز بخشا جاتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ ۲۷

[اور ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا اور انھیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔]

انسانوں کے شرف وبرتری کا واضح اعلان ان آیات کریمہ ۲۸ ؎ میں بھی ہوتا ہے جہاں پوری کائنات کو خادم کی حیثیت سے اور انسان کو مخدوم کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے اور واضح الفاظ میں تسخیر کائنات کا پروانہ انسانوں کو دے دیا جاتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ ۲۹

[اور اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، سب کچھ اپنی طرف سے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرنے والے ہیں۔]

کتاب اللہ جگہ جگہ اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ آسمان وزمین کی ساری چیزیں اللہ کی تسبیح خوانی میں مصروف ہیں۔ [۳۰] اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو چیز جس مقصد کے لیے بنائی گئی ہے وہ سرمو انحراف کی جسارت نہیں رکھتی، خواہ آسمان ہو یا زمین، چاند، سورج، ستارے اور سیارے ہوں یا ہوا، پانی، آگ اور تمام موجودات ارضی وسماوی، سب اللہ کی مرضی ومشیت کے مطابق اپنے اپنے کاموں میں مطیعانہ شان کے ساتھ مصروف وسرگرم عمل ہیں۔ یہ بات ہر دیدۂ بینا کے مشاہدے میں آتی ہے کہ تمام اشیاء کائنات طوعاً وکرہاً اور بالواسطہ یا بلاواسطہ انسانوں کی خدمت کررہی ہیں۔ چنانچہ مخدوم کائنات ہونے کا شرف اس انسان کو حاصل ہے جس کی تخلیق اللہ رب العزت نے بڑے اہتمام سے فرمائی اور ساری کائنات کو اس کی خدمت کے لیے پیدا کردیا۔

انسان اگر اپنے رب کریم کے الطاف وعنایات اور بالخصوص اپنی تخلیق سے متعلق اس کی مخصوص التفات وتوجہ اور تمام موجودات سماوی وارضی کو اپنے خدمت گار ہونے کی حیثیت سے فضل الٰہی کے بار کو اپنے کاندھوں پر محسوس کرتا ہے تو بے ساختہ منعم حقیقی کے تئیں یہ پکار اٹھتا ہے:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ [۳۱]

[اے ہمارے پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔]

اس صحت مند فکر اور صالح خیال رکھنے والے انسان کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد منزل مقصود کی یافت میں مہمیز کا کام کرتا ہے جس میں حتمیت وقطعیت کے ساتھ اس کے مقصد تخلیق کو بتادیا جاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ [۳۲]

[اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔]

انسان، عالم فانی اور عالم لافانی کے تعلق سے سیکڑوں آیات بینات ہیں جو ایک طرف انسان کی دنیا میں حیثیت، دنیا سے اس کا تعلق اور بذات خود دنیا کی حیثیت کو واشگاف انداز میں بیان کرتی ہیں۔ ان تعلیمات کا مرکز ومحور انسان کو دنیا کی زندگی میں اپنی ذمہ دارانہ حیثیت کا استحضار کرتے ہوئے موت کے

بعد کی ابدی زندگی کی لیے توشۂ راہ فراہم کرنا ہوتا ہے۔

انسان کے اشیاء کائنات پر تصرف واختیار اور تمام مخلوقات میں اشرف واکرم ہونے کی حقیقت کے پیش نظر رب کائنات کی یہ تنبیہ معنی آفرین، فکر انگیز اور دوررس اثرات ونتائج کی حامل ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ ۳۳

[کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تم لوگوں کو بے مقصد پیدا کر دیا اور یہ کہ تم کو ہماری طرف پلٹ کر نہیں آنا ہے۔]

انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار اور جوابدہ ہے اور وہ دنیا کے اس عظیم امتحان ہال میں امتحان دہندہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴿۸﴾ ۳۴

[بلاشبہ ہم نے زمین پر جو کچھ ہے، اسے اس کی زینت کے طور پر بنایا ہے تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں سے کون اچھا کام کرنے والا ہے۔ آخر کار ان سب کو ہم چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں۔]

ایک دوسری جگہ اس کے امتحان دہندہ ہونے کی حیثیت کو بیان فرمایا جاتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ ۳۵

[نہایت ہی بزرگ وبرتر ہے وہ جس کے اختیار میں سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، جس نے موت اور زندگی کو بنایا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔]

مذکورہ بالا قرآنی تعلیمات کی روشنی میں یہ صداقت سامنے آتی ہے کہ یہ دنیا تفریح گاہ نہیں ہے اور انسان تفریح طبع کے لیے وجود میں نہیں لایا گیا ہے، بلکہ یہ امتحان گاہ ہے اور انسان سے تقاضا ہوتا ہے کہ اس امتحان گاہ میں ایک ذکی وفہیم اور لائق وہونہار طالب علم کی طرح اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ گزارے۔ اس دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے اور تمام حقوق وفرائض سے بے التفاتی برت کر فلاح ونجات امر محال اور اس کی تمنا

بے سود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ترک دنیا اور اسباب دنیا سے بے اعتنائی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ جب تک دنیا کو برتا نہیں جائے اور حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کو اپنا فرض منصبی نہ سمجھا جائے اس وقت تک نجات و کامیابی کا تصور بے معنی ہے۔ اسی طرح دنیا کی رنگینیوں اور دلفریبیوں میں محو ہو جانا اور اس دنیا میں اپنی قائدانہ حیثیت یا ذمہ دارانہ منصب کو فراموش کر کے دنیا کو ہی مطمح نظر بنالینا اور تمام حدود و قیود کے تقدس کو پامال کر کے آسائش و راحت کے حصول کی جدوجہد کرنا، بدرجہ اولیٰ شان اسلام کے منافی اور قرآن وسنت کی ہدایات کے متناقض ہے۔ گویا دنیا میں رہتے ہوئے اور اسباب دنیا کو استعمال کرتے ہوئے ہمہ وقت موت کے بعد کی زندگی کے لیے فکرمندی واضطراب ہی وہ سرمایہ ہے جو انسان کو فرائض وواجبات کی ادائیگی کے تئیں بیدار و حساس

اور اخلاص حسنہ کا پیامی بنا دیتا ہے اور یہی احساس ذمہ داری آخرت کی شکل میں وقوع پذیر ہونے والے نتیجہ گاہ امتحان میں سرخروئی وسعادت مندی کا محرک اصل بھی قرار پاتا ہے۔

ایک طالب علم اصلاً نتیجہ امتحان پر اپنی توجہات مرکوز کرتا ہے۔ ایک مزدور کی نگاہ کا محور وہ مبارک ساعت ہوتی ہے جب اس کو اس کی محنت وجانفشانی کا نتیجہ خیر مزدوری کی شکل میں ملنے والا ہوتا ہے۔ ایک کسان کے لیے خوشی ومسرت کا اصل وقت وہ ہوتا ہے جب مہینوں کی جدوجہد اوسردی وگرمی کی مشقت برداشت کرنے کے بعد اپنے کھیت میں لہلہاتی ہوئی فصل دیکھتا ہے۔ بعینہٖ ایک بندہ خدا کے لیے آخرت کا وقوع مژدۂ جانفزا ثابت ہوتا ہے، جب وہ اس دنیا کی امتحان گاہ میں اپنی ذمہ دارانہ حیثیت کو یاد رکھتے ہوئے اپنے خالق حقیقی کی مرضی ومنشا کے حصول میں دیوانہ وار سرگرم عمل رہتا ہے۔

جاری۔۔۔

حوالے وحواشی:

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۶/۱، ص ۴۵۲۔ ۴۵۳، طبع اول، ۱۹۷۸ء، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۲۔ سید سلیمان ندوین: سیرت النبی، ج ۳، ص ۵۱۴، ۱۹۴۷ء، اعظم گڑھ

۳۔ Ather Husain: An Approach to the study of the Quran, p-1 Indian

Institute of Islamic Studies, New Delhi

۴۔ P.K. Hitti: Islam: a way of Life, p.26, 1970, Oxford University Press, U.K.

۵۔ النساء: ۱۶۳، النحل: ۱۲۳، فاطر: ۳۱، الشوریٰ: ۱۳، آل عمران: ۳، النساء: ۱۱۳، المائدہ: ۴۸، النحل ۴۴، ۶۴، الانبیاء: ۱۰، الزمر: ۲، ۱۴، الحشر: ۲۱

۶۔ ابومحمد اسماعیل البخاری: الصحیح البخاری، ج ۲، باب کتاب النبی، ص ۷۴۶ ۷۔ الحجر: ۹

۸۔ فصلت: ۴۲

۹۔ John Burton: The Collection of the Quran, pp.121-122, 1977, New York

۱۰۔ البقرہ: ۲ ۱۱۔ البقرہ: ۴۱، ۸۹، ۹۱

۱۲۔ الانعام: ۱۵۵ ۱۳۔ المائدہ: ۴۸

۱۴۔ یونس: ۵۷۔۵۸ ۱۵۔ النحل: ۸۹، بنی اسرائیل: ۹

۱۶۔ ابراہیم: ۱ ۱۷۔ الکہف: ۱

۱۸۔ الفرقان: ۱ ۱۹۔ فصلت: ۳

۲۰۔ مریم: ۹۷، الدخان: ۵۸، القمر: ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰، ۲۱۔ الاسرا: ۹

۲۲۔ ملاحظہ فرمائیں، الانعام: ۳۷، ابراہیم: ۱۹، العنکبوت: ۴۴، الروم: ۸، الزمر: ۴، الزخرف: ۱۲، التغابن: ۳

۲۳۔ الحجر: ۸۵ ۲۴۔ الانبیاء: ۱۶

۲۵۔ المؤمنون: ۱۲۔۱۴ ۲۶۔ التین: ۴

۲۷۔ الاسرا: ۷۰

۲۸۔ الرعد: ۲، ابراہیم: ۳۲۔۳۳، النحل: ۱۲، ۱۴، الحج: ۶۵، العنکبوت: ۶۱، لقمان: ۲۰، فاطر: ۱۳، الزمر: ۵

۲۹۔ الجاثیہ: ۱۳

۳۰۔ الرعد: ۱۳، الحدید: ۱، الحشر: ۱، الصّف: ۱، الجمعہ: ۱، التغابن: ۱، الاسراء: ۴۴

۳۱۔ آل عمران: ۱۹۱ ۳۲۔ الذاریات: ۵۶

۳۳۔ المؤمنون: ۱۱۵ ۳۴۔ الکہف: ۷۔۸

۳۵۔ الملک: ۱۔۲

مولٰنا محمد سلیم ندوی

قلم کی کہانی؛ خود اپنی زبانی

میں قلم ہوں، مجھے ہر انسان اپنی بولی اور زبان میں جدا جدا الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ میرے خالق نے مجھے اپنی آخری کتاب میں لفظِ ''قلم'' سے یاد فرمایا ہے (القلم:1۔العلق:4)۔ میری پیدائش ارشاد رسول کے مطابق اُس وقت ہوئی ہے، جبکہ ابھی میرے رب نے کائنات کی کسی شئی کو وجود نہیں بخشا تھا، وجود وظہور میں سب سے پہلے ''میں'' ہوں، پھر مجھے حکم ربانی ہوا، کہ ''لکھ'' تو میں نے منشاء الٰہی کے مطابق ہر وہ چیز لکھ دی، جو ازل سے ابد تک ہونے والی ہے (ترمذی 3319) میرا کام لکھنا ہے، آواز کی صورت گری کرنا ہے، فکر وخیال کی مجسمہ سازی ہے، الفاظ کو لباس کا جامہ پہنانا ہے۔ میرا وجود بے جان ہے، میں سماعت وبصارت سے خالی ہوں، نطق وبیان میری تحریر ہے۔ میں اپنے ذاتی فکر وخیال اور ارادہ سے عاری وخالی ہوں۔ میں خود نہیں چلتا ہوں، حرکت دینے والا مجھے اپنے ارادہ کے مطابق حرکت دیتا ہے، میں اِس بات سے بے خبر ہوں کہ یہ میری کمزوری ہے یا خوبی، کہ جو جس طرح اور جس نیت سے چلاتا ہے، میں چل پڑتا ہوں۔ نیک لوگ مجھے بھلے اور اچھے کام کیلئے اور برے لوگ اپنی برائی کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ کبھی میں ایمان کی باتیں لکھتا ہوں، تو کبھی کفر کی باتیں۔ مجھ سے کوئی محبت ومودت کی تحریریں لکھتا ہے، تو کوئی نفرت وعداوت کی لکیریں کھینچتا ہے۔ کوئی نوکِ قلم سے دو جدا دلوں کو محبت کے ٹانکوں سے جوڑتا ہے، تو کوئی نوکِ قلم سے زہریلے سانپ کی طرح ڈس کر دو دلوں کو مسموم کرتا ہے۔ کبھی میں متقی وخدا ترس کے ہاتھ میں ہوتا ہوں، تو کبھی فاسق وفاجر کے ہاتھ میں۔ متقی وخدا ترس لکھنے سے قبل سوچتا ہے۔ لکھتے ہوئے خدائی استحضار رکھتا ہے۔ لکھ کر لکھی ہوئی عبارت کا بے لاگ جائزہ اور محاسبہ کرتا ہے۔ وہ اپنی تحریر سے رب کی رضا کا طلب گار رہتا ہے۔ وہ قلم کو حرکت دیتا ہے، تاکہ پیغامِ ربانی کی اشاعت ہو، رسولِ اکرم کے دُرِّ آبدار کو بکھیریں، دین وشریعت کے اوامر ومنہیات کی خبر دیں، انسانوں کو خدا کا پسندیدہ راستہ دکھائیں، نفس و شیطان کے مکر وکید سے انسانوں کو باخبر کریں۔ اس کے برعکس فاسق وفاجر مجھ سے نفس چاہی باتیں لکھتا

ہے، برے جذبات کو بَرانگیختہ کرتا ہے، چمنِ محبت میں نفرت ودشمنی کی آبیاری کرتا ہے، نہ خدا سے ڈرتا ہے، نہ اُس کا ضمیر اُس کو جھنجوڑتا ہے، مطلب پرست لوگ اپنے مطلب براری کیلئے اُس کو اور اُس کے قلم کو چند معمولی سکوں میں خرید لیتے ہیں۔ اُس کا ایمان مادہ پرستی اور مال پروری ہوتا ہے، اور وہ خود کم ظرف اور اُس کا ضمیر، ضمیر فروش ہوتا ہے۔ تاریخِ انسانی کے کتنے اوراق اِس رُوسیاہی سے پُر ہیں۔ میرا یہ حال خود صدا گو ہے کہ میں لوگوں کے ہاتھوں میں بازیچۂ اطفال ہوں۔

میرا کام زبان کے مانند ہے۔ فرق یہ ہے کہ زبان کے الفاظ سنے جاتے ہیں، جب کہ میرے الفاظ دیکھے بھی جاتے ہیں۔ زبان سے نکلے الفاظ فضاؤں میں تحلیل ہوجاتے ہیں، جب کہ میرے الفاظ منقش پتھر کی طرح محفوظ ہوجاتے ہیں۔ بول کا زمانہ مختصر اور میرا زمانہ تادیر۔ بولی کو وہ مقام حاصل نہیں، جو لکھائی کو حاصل ہے۔ جو اُصول وآداب زبان کی بولی کے ہیں، وہی احکام، قلم کی لکھائی کے ہیں۔ جس طرح زبان سے بولنا اور پڑھنا رب کے نام سے ہو، (علق:1) اِسی طرح قلم سے لکھنا بھی رب کے نام سے ہو۔ زبان کے بول میں خیر ضروری ہے، ورنہ خاموشی بہتر (بخاری، 6476) یہی اُصول حرکتِ قلم کے وقت ہے۔ جس طرح زبان سے کہی بات کی تحقیق ضروری ہے (حجرات:6) اِسی طرح تحریرِ قلم کی تحقیق ضروری ہے۔ زبان کا ایک بول رضاءِ خداوندی کا سبب ہوسکتا ہے (بخاری:6113) قلم کا ایک جملہ بھی یہی شان رکھتا ہے۔ جس طرح زبان کا ہر بول کا تبانِ اعمال فرشتوں کی گرفت میں ہے (ق:18) یہی نگرانی کا نظام، تحریرِ کلام پر بھی قائم ہے۔ زبان کی نرمی، کلام میں خوبصورتی اور اُس کی سختی بدصورتی کو جنم دیتی ہے (کنز العمال :37776) یہی کیفیت بیانِ تحریر کی ہے۔ زبان کیلئے یادِ الٰہی کا حکم ہے (جمعہ:10) قلم بھی اِسی حکم سے مربوط ہے۔ جس طرح زبان سے غیبت حرام ہے (حجرات:12) اِسی طرح غیبتِ قلم باعثِ لعنت ہے۔ زبان کا جھوٹ منافق کی علامت ہے (بخاری:2536) قلمی جھوٹ بھی اُسی صفت کا مظہر ہے۔ کسی کے جھوٹے ہونے کیلئے یہ بات کافی ہے کہ جو سُنے، دوسرے سے بیان کرے (کنز العمال :8988) یہی حال بے تحقیق قلم کار کا ہے۔ کسی کو زبان سے تہمت لگانا قابلِ ہلاکت گناہ ہے (بخاری:2615) نگارشِ قلم سے کسی کو تہمت زدہ کرنا اِسی حکم میں ہے۔

میرے رب سبحانہ وتعالیٰ نے اُسی وقت میری اہمیت وضرورت اور مقام کا راز افشا کردیا تھا، جب کہ اُس نے اپنی آخری کتاب کا آغاز ''سورۂ اقرأ کی پانچ آیات'' سے فرمایا تھا۔ جس نے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔۔اور۔۔۔عَلَّمَ بِالْقَلَمِ کہہ کر بتادیا کہ آخری دور قلم کا، علم ونظریات کا اور فکر وفلسفہ کا ہوگا۔ یہی

وجہ تھی کہ اس امت نے تھوڑی سے مدت میں کتنے بڑے بڑے کتب خانے تیار کر دئے، ان گنت نئے فنون میں ہزاروں کتابوں کا ذخیرہ تیار کر دیا، اور انسانی دنیا کو مادی وروحانی، معالجاتی وترقیاتی، اور اپنے فکر وقلم سے ہزاروں انقلابات کی بنیاد ڈالی۔

صالح مفکرین نے مجھ سے صلاح وخیر کا کام لیا ہے۔ اور فاسد علمبرداروں نے سماج میں ترویجِ فتنہ و فساد کا کام کیا ہے۔ دین ودنیا، اچھا وبرا، خیر وشر، صلاح وفساد، وصل وفصل اور محبت وعداوت ہر تحریر، میں نے نقش کر دی ہے۔ مگر ناز ہے مجھے! اُن کاتبوں اور قلم کاروں پر، جنھوں نے مجھ سے دین وایمان کے حقائق لکھے، قرآن وسنت کی تشریحات رقم کی، سیرت وسوانح کے انمٹ نقوش درج کئے۔ امام ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) جو مفسرین ومحدثین کے مقتدیٰ اور مورخین کے گروہ کے سرخیل، اپنے وقت کے امام اور زبردست مجتہد ہیں، جن کی کثرتِ تالیف اور حسنِ تصنیف نے اُنہیں اسلامی تاریخ کا سب سے عظیم محقق بنا دیا، آپؒ نے اپنی زندگی کے چالیس سال ایسے گذارے ہیں، جن میں چالیس اوراق یومیہ تصنیف کرنا، اُن کے معمولات میں شامل تھا۔ انہوں نے اپنی تصانیف کی شکل میں ''تین لاکھ پچاس ہزار سے زائد'' اوراق بطورِ یادگار چھوڑے ہیں (قیمة الزمن عند العلماء)۔ ابن شاھین جن کے بارے میں امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے، کہ آپؒ نے تین سو تیس کتابیں لکھی، جن میں سے ''التفسیر الکبیر'' ایک ہزار اجزاء پر، ''المسند'' تیرا سو اجزاء پر، ''التاریخ'' ایک سو پچاس اجزاء پر، اور ''الزھد'' ایک سو اجزاء پر مشتمل کتابیں ہیں۔ انہوں نے تصنیفِ کتب کیلئے ۷۰۰ دراہم کی روشنائی خریدی، جو قدیم دور میں ایک بڑی رقم شمار ہوتی تھی۔ ابن عقیلؒ (متوفی ۵۱۳ھ) مختلف علوم وفنون میں تقریباً بیس کتابیں لکھیں، جن میں دنیا کی سب سے بڑی تصنیف ''الفنون'' لکھی۔ ابن رجبؒ کا بیان ہے کہ یہ کتاب آٹھ سو جلدوں میں تھی۔ علامہ ابن جوزیؒ (متوفی ۵۹۷ھ) نے پانچ سو سے زائد کتب تصانیف کیں۔ آپؒ کے نواسے ابوالمظفر کا بیان ہے کہ میں نے اپنے نانا کو آخری عمر میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے، کہ میں نے اپنے ہاتھ سے دو ہزار جلدیں تصنیف کی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ۴: ۱۳۴۴) ابن جوزیؒ نے اپنے قلم سے جو احادیث قلم بند کی تھیں، اُن کے تراشے اور ٹکڑے جمع کئے گئے، تو وہ اِتنے زیادہ ہوئے کہ آپؒ نے وصیت کی، کہ میرے مرنے کے بعد میرے غسل کا پانی اُن ٹکڑوں ہی سے گرم کیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، پانی گرم ہونے کے بعد بھی وہ تراشے بچ گئے (الکنی والالقاب ج ۱ ص ۲۴۲) امام فخر الدین رازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ) نے دو سو تصانیف لکھیں، جن

میں بعض تصانیف ایک سو تیس اجزاء پر مشتمل ہیں۔شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ) نے ۵۷ سال کی عمر پائی، ۵۰۰ کتابیں بطورِ یادگار چھوڑیں (قیمة الزمن عند العلماء)۔ ماضی قریب میں ہندوستان کے ایک عظیم محقق و مدقق امام عبدالحی لکھنوی (متوفی ۱۳۰۴ھ) جنہوں نے صرف ۳۹ سال عمر پائی، اُن کی تصانیف ۱۱۰ سے متجاوز ہیں، جن میں بعض ضخیم اور کئی جلدوں میں ہیں، پھر مزید کمال یہ ہے، کہ ان کی تمام کتابیں مشکل مباحث پر مشتمل ہیں۔ایک اور بلند پایہ شخصیت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (متوفی ۱۳۶۲ھ) جنہوں نے ۸۲ سالہ عمر میں ایک ہزار سے زائد کتابیں لکھیں۔ علامہ زاہد الکوثریؒ نے اپنے مقالات میں قرآن کریم کی خدمت کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ابوالحسن اشعری کی تفسیر "المختزن" ۷۰ جلدوں میں ،قاضی عبد الجبار ہمدانیؒ کی تفسیر "المحیط" ۱۰۰ جلدوں میں، ابو یوسف عبدالسلام قزوینی کی تفسیر "حدائق ذات بهجة" ۳۰۰ جلدوں میں، ابن شاھینؒ نے ایک ہزار اجزاء پر مشتمل تفسیر "التفسیر الکبیر "لکھی، قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے "انوار الفجر" کے نام سے تقریبا ۸۰ ہزار اوراق میں تفسیر رقم کی، علامہ قطب الدین شیرازیؒ کی تفسیر "فتح المنان "جس کو تفسیر علامی کہا جاتا ہے، ۴۰ جلدوں میں لکھی گئی ہے۔ یہ اُن لوگوں کا ایک طائرانہ جائزہ ہے، جنہوں نے مجھ سے خیر وصلاح کا کام لیا، اور بھلائیوں کو عام کیا ہے۔

آج میں پوری امتِ مسلمہ سے گویا ہوں، کہ تم ہی وہ قوم ہو! جن میں نعمانؒ بن ثابت جیسا صاحبِ فہم ونظر تھا، غزالیؒ جیسا صاحبِ علم تھا، رازیؒ جیسا نکتہ داں تھا ، ابن قیمؒ جیسا صاحبِ قلم تھا، جابر بن حیان (المتوفی ۱۹۸ھ ۸۱۳ء) عطاربن محمدالکاتب (المتوفی ۲۱۴ھ ۸۳۲ء) جیسا بڑا مشہور کیمیاء داں (MINERALOGY) تھا، ابوحنیفہ الدینوری (المتوفی ۲۸۵ھ ۸۹۵ء) جیسا ماہرِ نباتیات (BOTANY) تھا، ابومعمر بن مثنیٰ (المتوفی ۹۰۲ھ ۷۲۸ء) جیسا ماہرِ حیوانیات (ZOOLOGY) تھا، جابر بن حیان جیسا ''علم الکیمیا (CHEMISTRY) کا باوا آدام'' تھا، ابو یوسف یعقوب کندی (۲۵۸ھ ۸۷۳ء) جیسا علم الطبیعات (PHYSICS) اور فلسفہ (PHILOSOPHY) کا امام تھا، محمد بن موسیٰ خوارزمی (متوفی ۲۳۲ھ ۸۴۶ء) جیسا حساب (MATHEMATICS) الجبراء (ALGEBRA) اور جیومیٹری (GEOMETRY) کا بانی تھا، ابوبکر بن زکریا الرازی جیسا علم الطب (MEDICINE) میں ماہر تھا۔ جنہوں نے اِس راز کو پہچان لیا تھا، کہ آخری زمانہ، قلم کا زمانہ ہے۔ جس سے قومیں عروج اور زوال پذیر ہوں گی۔

ے تھے تو آباء وہ تمہارے مگر تم کیا ہو!!

آج کتنے بڑے بڑے اور قسم قسم کے فتنے ابھر رہے ہیں، جو اسلام اور مسلمانوں کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتے ہیں، اسلامی تاریخ کو مسخ کر کے اُس کو فرسودہ و بوسیدہ کر دینے پر تُلے ہیں، جو اسلام سوز، دین سوز، ایمان سوز، اخلاق سوز، بلکہ انسانیت سوز فتنے ابھر رہے ہیں۔ بقول مولانا علی میاںؒ کہ ''مادیت، الحاد، قوم پرستی، نبوتِ محمدیؐ سے آنکھیں ملانے کیلئے تیار ہے، آج مسیلمہ کذاب نئے نئے روپ میں آرہا ہے اور نبوتِ محمدی کو چیلنج کر رہا ہے۔ آج سر کٹانے اور کاٹنے کی ضرورت نہیں، آج باطل سے آنکھیں ملانے کی ضرورت ہے، آج نبوتِ محمدیؐ پر تلواروں کا حملہ نہیں، دلیلوں کا حملہ ہے، مادیت کا حملہ ہے، قوم پرستی کا حملہ ہے''۔ قلم اور تلوار، ان دونوں کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے، فرق یہ ہے کہ تلوار کی ضرورت وقتی و عارضی، اور قلم کی ضرورت دائمی ہے، اور یہ بات بھی مسلّمہ ہے کہ قلم کی طاقت، تلوار سے زیادہ ہے۔ تلوار کا خیر و شر وقتی، اور قلم کا تادیر ہے۔ تلوار کا زخم خود بخود مٹ جاتا ہے، قلم کا زخم مٹائے نہیں مِٹتا ہے۔ آج اسلام پر اُٹھنے والے باطل اشکالات، اور قانونِ الٰہی پر لگائے گئے ظالمانہ اعتراضات کے مثبت، مدلل، ٹھوس اور حکیمانہ جواب کی ضرورت ہے۔ ہر دور اور زمانہ کیلئے تعلیماتِ اسلامی کا قابلِ عمل ہونا اور ساری مخلوق کیلئے اُس کا باعثِ راحت و خیر ہونے کی مدبرانہ و فقیہانہ استدلال و تشریح کی ضرورت ہے۔ آج باطل کی تحریف کردہ اسلامی حقائق کو صداقت و عدالت کے معیاری ترازو سے تول کر حقیقت کو واشگاف اور واضح کرنے کا وقت ہے۔ جس کیلئے شستہ و شگفتہ قلم، دلکش پیرایہ اور بہتر اسلوب کی ضرورت ہے، جس آواز کو نہ صرف زمانہ سُنے بلکہ قبول کرے، اور اُس صدا کو لبیک کہہ کر سینہ سے لگائے۔ دورِ حاضر عدالت و صداقت، حیا و پاکدامنی، اور خیر خواہی و دردِ انسانیت میں مثالی انقلاب کا منتظر ہے۔ اور یہ انقلاب قلم سے لایا جاسکتا ہے، فرق صرف استعمال کا ہے، بعض قلم انقلاب لے آتے ہیں، اور بعض صرف شلوار میں ازار بند اڈالنے کے کام آتے ہیں۔

وصل کے اسباب پیدا ہوں تیری تحریر سے
دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تیری تقریر سے

☆☆☆

خلیل الرحمن سجاد نعمانی

اپنی ملت، برادرانِ وطن اور حکومت سے کچھ صاف صاف باتیں

[۲۱ جون کو ہمارے ملک میں یوگا ڈے منایا گیا۔ اس کے چند دن پہلے کچھ مسلمانوں کے ایسے بیانات آئے جو شریعت اسلامی کی روح ومزاج کے بھی خلاف تھے، اور ملک کی حقیقی صورت حال کے لحاظ سے بھی نامناسب تھے، اس کی وجہ سے مسلم عوام میں بھی شک اور تردد کی کیفیت آنے لگی، کچھ دوستوں کے توجہ دلانے پر راقم نے ایک مضمون لکھا جو ملک کے ۱۷/ ۱۸/ اور ۱۹/ جون کے مختلف اردو اخبارات میں شائع ہوا، نیز اسی مضمون کو ایک ویڈیو بیان کی شکل میں سوشل میڈیا کے ذریعہ بھی پھیلانے کی کوشش کی گئی ——— ذیل میں وہ مضمون تھوڑے سے اضافہ کے ساتھ الفرقان کے ناظرین کی خدمت میں بھی پیش کیا جارہا ہے ——— **مدیر**]

آج کل جو موضوعات ذرائع ابلاغ اور باشندگانِ ملک کی گفتگوؤں پر چھائے ہوئے ہیں، ان میں سرفہرست یوگا اور سوریہ نمسکار جیسے موضوعات ہیں، ان ہی موضوعات کے بارے میں کچھ باتیں مسلمانوں سے، برادرانِ وطن سے اور ارباب اقتدار سے کہنے کے لئے یہ تحریر لکھی جارہی ہے۔

مسلمانوں سے:

تمام مسلمان بھائیوں، بہنوں اور نوجوان بچوں اور بچیوں سے یہ کہنا ہے کہ آپ نے جو کلمہ پڑھا ہے، اس کے دو جز ہیں۔ پہلے جز کے ذریعہ آپ نے کائنات کی اس اہم ترین سچائی کو جانا اور تسلیم کیا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی شئے اور کوئی ہستی اس لائق نہیں ہے کہ اس کی بندگی یا عبادت کی جائے، اس سے کچھ مانگا جائے - اس لئے کہ اس مالک وخالق اور رب العالمین کے سوا کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اس کی مرضی کے بغیر کسی کو کچھ دے سکے۔

اس موقع پر یہ ضرور یاد رکھئے گا کہ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ توحید کی یہ تعلیم دنیا میں پہلی مرتبہ قرآن

اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی تھی، اللہ کے تمام پیغمبروں نے اور سب کتابوں اور صحیفوں نے اپنی اپنی قوموں کو ہمیشہ یہی تعلیم دی تھی، تاہم یہ بھی سچ ہے کہ آخری آسمانی کتاب قرآن اور آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کے مسئلہ کو جتنا صاف اور واضح کیا، اور جس طرح ان تمام دروازوں اور کھڑکیوں کو بند کیا جن کے ذریعہ مسلمانوں میں شرک سرایت کرسکتا تھا وہ اپنی مثال آپ ہی ہے- اس کی چند مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) آپ نے سنا یا پڑھا ہوگا کہ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے کا کم سنی میں انتقال ہوا، اسی دن اتفاق سے سورج کو گہن لگا۔ لوگوں میں، سماج میں پھیلے ہوئے توہم پرستانہ خیال کے مطابق یہ چرچا ہونے لگا کہ سورج کو گرہن محمد کے گھر کے حادثے کی وجہ سے لگا ہے- آپ نے فوراً اس خیال کی صاف لفظوں میں تردید کرتے ہوئے واضح کیا کہ سورج چاند یہ سب اللہ کی نشانیاں اور مخلوقات ہیں، کسی کی زندگی اور موت سے ان کا کوئی تعلق نہیں.....

(۲) نماز جنازہ میں، جس میں امام کے سامنے جنازہ رکھا ہوتا ہے، رکوع اور سجدہ جو نہیں رکھا گیا، اس کی حکمت بھی یہی بتائی جاتی ہے کہ کوئی انجان شخص نمازیوں کو جنازے کے سامنے رکوع سجدہ کرتے ہوئے دیکھ کر یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ لوگ اس جنازے کے سامنے جھک رہے ہیں، چنانچہ صرف اس لئے کہ کسی کو غلط فہمی نہ ہو نماز جنازہ سے رکوع سجدے کو نکال دیا گیا۔ حالانکہ یہ بھی سوچا جاسکتا تھا کہ مسلمان رکوع اور سجدے میں اللہ ہی کی نیت کرے گا- مگر نہیں! توحید اور شرک کا مسئلہ اتنا اہم اور سنگین ہے کہ اس میں ذرا سا بھی خطرہ مول لینے کی گنجائش نہیں ہے، اور دوسروں کو بھی غلط فہمی سے بچانا ضروری ہے۔

(۳) اس کی ایک اور واضح مثال، جس سے آج کل جاری بحث میں بھی واضح رہنمائی مل سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی صراحت اور سختی کے ساتھ بار بار اس بات کی ہدایت دی کہ سورج نکلنے اور ڈوبنے کے وقت کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔ بلکہ اس وقت کسی میت کو بھی دفن نہ کیا جائے۔

(صحیح بخاری، حدیث ۵۵۸، ۵۶۔ سنن نسائی: ۱/ ۲۷۷)

اس ہدایت کی حکمت یہ بتائی گئی کہ دنیا کی کئی قومیں جو سورج کو کسی نہ کسی درجہ میں خدا مانتی ہیں، وہ خاص طور پر انہی اوقات میں سورج کی پوجا (سوریہ نمسکار) کرتی ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی کہ وہ اللہ کی عبادت بھی ان اوقات میں نہ کریں۔

غور کیجئے گا کہ مسلمان جو نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے اس کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی سورج چاند یا اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کا خیال بھی نہیں ہوتا - لیکن پھر آخر اتنی سختی کے ساتھ یہ ہدایت کیوں دی گئی؟ یہی بات تو یہاں سمجھانا مقصود ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنی امت کو شرک ہی سے نہیں، اس کے شائبہ سے بھی بچانا چاہا ہے۔ بلکہ اس پہلو پہ بھی نظر رکھی ہے کہ ان کی کسی ادا یا عمل سے کوئی یہ نہ سمجھنے لگے کہ یہ لوگ بھی اللہ کے علاوہ کسی اور کی مثلاً سورج کی پوجا کر رہے ہیں، یا اسے نمسکار کر رہے ہیں۔

مسلک اور فرقے کی کسی ادنیٰ سی تفریق کے بغیر میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نے کلمہ کے دوسرے جزو کے ذریعہ اس بات کا عہد کیا ہے کہ آپ حضرت محمد ﷺ کا ہر حکم مانیں گے اور کسی قیمت پر ان کی کسی ہدایت کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

اب آپ خود غور کریں، کہ آپ کا سابقہ کچھ ایسے لوگوں سے ہے جو پچھلے سو سالوں سے اس کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں کہ وہ آپ سے آپ کا دین آپ کی شریعت اور آپ کی تہذیب چھین لیں، وہ آپ کے بچوں کو اسکولوں اور کالجوں میں صریح ہندوانہ عقائد اور برہمنی تہذیب سے مانوس کر رہے ہیں - بلکہ ان کی ترویج کر رہے ہیں - آپ کے جو بچے اور بچیاں اعلیٰ تعلیم کے ساتھ اسلامی تہذیب اور اس کے شعائر کا احترام و اہتمام کرتے ہیں، انہیں دہشت گرد قرار دے کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل رہے ہیں۔ یا کم از کم انہیں خوف زدہ کرنے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ آپ کے اپنے قائم کئے ہوئے کالجوں میں بھی نماز پڑھنے سے روک رہے ہیں، آپ کو بار بار ملک بدر کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو سب دیش واسیوں، خصوصاً مسلمانوں سے یوگا کرانے کے لئے بے چین و مضطرب نظر آ رہے ہیں، کیا آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ ان کا یہ اضطراب اور یہ بے چینی صرف اس لئے ہے کہ انہیں آپ کی تندرستی کی بے حد فکر ہے؟؟؟

بہر حال کلمہ طیبہ کا اور آپ کے بنیادی عقیدۂ توحید و رسالت کا یہ تقاضہ ہے کہ آپ ایسے کسی عمل میں ہرگز شریک نہ ہوں جس سے ان لوگوں کی ہمت افزائی ہو جو آپ سے آپ کے دین اور آپ کی تہذیب کو چھین لینا چاہتے ہیں - اور اس موقع پر صاف صاف اعلان کر دیں کہ ہم نے اس ملک میں اپنے ایمان اور اسلام پر استقامت کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا ہے، اور دنیا کی کوئی طاقت ہم سے ہمارا ایمان نہیں چھین سکتی

.....کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم میں سے ایک ایک کے ایمان کا امتحان لینے کا خداوندی فیصلہ ہوا ہو؟ اور فہرست تیار ہو رہی ہو؟ رمضان کے بابرکت مہینہ میں جن لوگوں کا نام منافقوں اور شرک وکفر سے سمجھوتہ کرنے والوں میں لکھا جائے گا۔ اللہ! ہم میں سے کسی کو ان میں شامل نہ فرمایئے گا!

کہا جارہا ہے کہ یوگا تو صرف ایک ورزش ہے اس کا کسی عقیدے، دھرم یا تہذیب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ اس قدر جھوٹی بات بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی سے وہ لوگ بھی کہہ رہے ہیں جو اچھی طرح جانتے ہیں کہ یوگا خالصتہ آرین قوم کے عقیدوں اور برہمنی رسوم عبادت پر مبنی ایک عبادت ہے (یہ الگ بات ہے کہ کسی بھی طریقۂ عبادت کے کچھ جسمانی فوائد بھی ہو سکتے ہیں) اور یوگا اور برہمنی کلچر کے باہمی رشتے ہی کی وجہ سے کچھ لوگ اس کے لئے اس قدر پر جوش نظر آرہے ہیں۔ میرے سامنے اس وقت اس موضوع پر مستند کتابیں ہیں،

مثلاً

1.SURYA NAMASKAR, SWAMI SATYANAND SARASWATI

2. ANSANA PRANAYAM BY SWAMI SATYANAND SARASWATI

3. SAMPURN YOG VIDHA,(HINDI) BY RAJIV TRILOK

4. YOG DARSHAN, BY MAHARISHI PATANJALI

5. LIGHT ON YOGA , BY B.K.S IYENGAR

ان کتابوں کے مطالعہ کے بعد اس بارے میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ جس عمل کو یوگا کہا جاتا ہے وہ برہمنی عقائد اور ہندو مذہب کا ایک حصہ ہے۔ وہ ہرگز صرف ایک ورزش نہیں ہے بلکہ عبادت و ریاضت کا ایک طریقہ ہے جس میں سورج کی طرف خدا کی حیثیت سے دھیان اور توجہ کو مرکوز کرنے کی مشق کی جاتی ہے۔

۲۱ جون سال کا سب سے لمبا دن ہوتا ہے اور رات سب سے چھوٹی ہوتی ہے، اسی دن زمین سورج سے سب سے زیادہ قریب ہوتی ہے، یوگا سے متعلق لٹریچر میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ گرمی کے دوران انقلاب

شمسی یعنی سورج کے شمالی سمت سے جنوب کی طرف منتقل ہونے کیعلامت ہے، اور ویدک کتابوں کے مطابق یہی دن ہے جس دن پہلی مرتبہ شیو (بھگوان) نے اپنے چیلوں کو یوگا سکھایا، اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ ۲۱ جون یوگا کا یوم ولادت ہے اور اسی لئے ۲۱ جون کا انتخاب کیا گیا۔ علاوہ ازیں اس تاریخ کے انتخاب کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہی دن آر۔ایس۔ایس۔ کے بانی ہیڈگوار کا ''یوم وفات'' ہے۔ بہر حال اس میں ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں ہے کہ ۲۱ جون کو منایا جانے والا یوگا ڈے دراصل برہمنی کلچر کے غلبہ کا اعلان اور جشنِ فتح منانے کا دن ہے، اور اسی لئے سنا ہے کہ ابھی سے تیاریاں کی جارہی کہ اس دن یوگا کے بعد دیوالی کی طرح مٹھائیاں کھلائی جائیں گی اور مبارک بادوں کا تبادلہ ہوگا۔ [1]

اس پہلو پر بھی غور کیجئے کہ جو لوگ نہایت جوش وخروش کے ساتھ ملک کے ہر چھوٹے بڑے سے یوگا کرانے کی کوشش کررہے ہیں کیا ان سب کے اندر آپ کی صحت وتندرستی کے لئے اتنی فکر آگئی ہے؟ یا اس کی وجہ کچھ اور ہے؟ میں نہیں سمجھتا کہ جس کردار کے لوگ اس مہم میں پیش پیش ہیں ان کے اصل مقصد کے بارے میں کسی بھی باہوش شخص کو کوئی بھی خوش فہمی ہوسکتی ہے؟ سب کی صحت اور سلامتی چاہنے والوں کا انداز اور لب ولہجہ یہ ہوتا ہے کہ ''جن لوگوں کو یوگا اور سوریہ نمسکار نہیں کرنا ہے انہیں سمندر میں پھینک دینا چاہئے''۔۔۔۔۔۔؟؟

ان لوگوں سے زیادہ دکھ ان نام نہاد مسلمانوں پر ہوتا ہے جو مسلمانوں کو تلقین کررہے ہیں کہ وہ کسی شک میں نہ پڑیں، اور یوگا کریں۔۔۔۔۔۔۔ ہلکی سے ہلکی بات جو ایسے مسلمانوں کے بارے میں کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ بالکل ہی ناواقف اور بے خبر ہیں، وہ نہ تو یوگا کی حقیقت سے واقف ہیں اور نہ حکمراں ٹولے کے اصل عزائم کو سمجھ پارہے ہیں۔ ہمارے ان بھائیوں کے لئے بہتر ہوگا کہ وہ اپنے علم اور ایمان دونوں میں اضافے کی سنجیدہ کوشش کریں۔

برادران وطن سے

مسلمانوں کے علاوہ اپنے ملک کے بسنے والے کروڑوں غیر مسلم بھائیوں اور بہنوں سے یہ کہنا ہے کہ آپ جس طریقہ پر عبادت یا ورزش کرنا چاہیں، ضرور کریں، مگر کچھ چالاک سیاسی لیڈروں کی اس چال کو ہرگز کامیاب نہ ہونے دیں، جن کو آپ میں سے خاصی تعداد نے اس امید کے ساتھ اقتدار سونپا تھا کہ وہ

---

[1] اور خبروں کے مطابق بہت سے مقامات پر جوش وخروش کے ساتھ یہ سب ہوا۔

مہنگائی کم کردیں گے، کالا دھن واپس لے آئیں گے، سب کو ساتھ لے کر سب کے وکاس کے لئے کام کریں گے، ایک سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا، انہوں نے کوئی وعدہ پورا نہیں کیا اور اب یہ بات سب جان گئے ہیں کہ وہ صرف چند سرمایہ داروں کے مفادات کے لئے ہی ملکوں ملکوں کے چکر لگا رہے ہیں، کسانوں کی زمینیں ان کو دے رہے ہیں اور بے چارے کسان خودکشی کر رہے ہیں اور عوام کی توجہ کو ان بنیادی مسائل اور اپنے کالے کرتوتوں کی طرف سے ہٹانے کے لئے یوگا وغیرہ کا تماشہ کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔مسئلہ کی اس نوعیت پر نگاہ رکھئے اور ایک محب وطن شہری کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری ادا کیجئے، اور سب مل کر اپنی آواز بلند کیجئے اور ایک بار پھر اس کا ثبوت دیجئے کہ آپ باشعور اور انصاف پسند ہیں۔ آنے والے دنوں میں جب ملک میں دستور بچاؤ تحریک کسی طرف سے چلے تو پوری طاقت سے اس کا ساتھ دیجئے۔

حکومت سے

ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ملک کے حقیقی مسائل کی طرف توجہ دیں، اور ملک کے دستور کو بدلنے اور ایک چھوٹی سی اقلیت کے عقیدوں اور کلچر کو ملک کے ۸۵٪ عوام پر تھوپنے کی حماقت نہ کریں۔

☆☆☆

ماہنامہ الفرقان گذشتہ ۸۳ سالوں سے مسلمانانِ ہند کی ہر موقع پر رہنمائی کے فرائض کو انجام دیتا رہا ہے، باطل کی طرف سے اُٹھنے والے ہر فتنہ کے خلاف صدائے حق بلند کرنا یہ الفرقان کا امتیاز رہا ہے، یہ صرف ایک رسالہ نہیں، یہ ایک تحریک اور ایک مکتبۂ فکر ہے، قدیم صالح جدید نافع کا بہترین امتزاج، حکمت و دانش مندی اور اعتدال کے ساتھ ایمانی حمیّت و غیرت اسکی خصوصیت ہے!

آپ سے اپیل کی جاتی ہے کہ

ماہنامہ الفرقان کے پیغام کے ہر ہر گھر تک پہونچانے میں ہماری مدد کریں!

❁ سالانہ خریدار بنیں۔ ❁ اپنے متعلقین کو خریدار بنوائیں۔ ❁ اپنی جانب سے اہل علم و دانش کے لئے جاری کروائیں (آپ کے اِس تعاون سے مختلف اہل علم حضرات تک آپ کی طرف سے الفرقان بھیجا جائے گا)

❁ اپنے یا اپنے دوست/متعلقین کے حلال کاروبار کا اشتہار شائع کروائیں۔

ہم سے رابطہ کریں:

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، ۱۱۴/۳۱، نظیر آباد لکھنؤ، فون: 0522-4079758

E-mail:monthlyalfurqanlko@gmail.com

حالیہ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ (جولائی ۲۰۱۵ء)

لوساکا (زامبیا) میں میں دوران اعتکاف

ریحانۃ العصر، شیخ طریقت حضرت مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

نے جو ایمان افروز اصلاحی بیانات فرمائے ہیں اُن کی CDs تیار ہو کر آچکی ہیں!

مستورات کی مجالس نیز بعد نماز عشاء عمومیں مجالس کے ساتھ ساتھ کچھ مخصوص مجالس کی

Cd بھی دستیاب ہے۔

نیز

یکم رمضان تا ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ (۱۹ رجون تا ۲ رجولائی ۲۰۱۵ء)

خانقاہ نعمانیہ (ممدا پور، نیرل) میں دوران قیام

مفسر قرآن، داعی اسلام حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی نقشبندی مدظلہ العالی

کے صبح وشام کے بیانات کا مجموعہ بھی دستیاب ہے۔

Cds بذریعہ ڈاک بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔

CD کی قیمت Rs.40 (علاوہ محصول ڈاک)

شائقین حضرات ہم سے رابطہ کریں!

خانقاہ نعمانیہ: ممدا پور، نیرل، کرجت، مہاراشٹرا (دستی حاصل کرنے کے لئے) 07744960574

نعمانی اکیڈمی: ۱۱۴/۳۱، نظیر آباد لکھنؤ، ۲۲۶۰۱۸، یوپی۔

0522-4079758-9369026355